الرسالہ

سرپرست
مولانا وحید الدین خاں

دو آدمیوں کے درمیان تکرار ہو تو اس کو انصاف پر
قائم رکھنے کی صورت صرف ایک ہے —— دونوں یہ
سمجھیں کہ ان کے درمیان ایک تیسرا بھی ہے اور وہ اللہ ہے

شمارہ ۳۶
نومبر ۱۹۷۹

زرتعاون سالانہ ۲۴ روپے
خصوصی تعاون سالانہ ایک سو روپے
بیرونی ممالک سے ۱۵ ڈالر امریکی

قیمت فی پرچہ
دو روپے

الرسالہ

شمارہ ۳۶ □ نومبر ۱۹۷۹

جمعیۃ بلڈنگ □ قاسم جان اسٹریٹ □ دہلی 110006 □ فون 262331

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انی اثنین خاں پرنٹر پبلشر مسئول نے جے کے آفسٹ پرنٹرز دہلی سے چھپوا کر دفتر الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ سے شائع کیا

ایسا کیوں؟

انجیل کے مطابق، فلسطین کے یہودیوں نے جب حضرت مسیح کی پیغمبری کو ماننے سے انکار کر دیا تو آخر میں انھوں نے آپ کو کافر قرار دے کر مار ڈالنے کی سازش کی۔ ان کے مذہبی سردار نے کہا: وہ قتل کے لائق ہے۔ اس پر انھوں نے اس کے منھ پر تھوکا اور اس کے مکے مارے۔ جب صبح ہوئی تو سب سردار کاہنوں اور قوم کے بزرگوں نے یسوع کے خلاف مشورہ کیا کہ اسے مار ڈالیں۔ وہ اسے باندھ کر لے گئے اور پیلاطس حاکم کے حوالے کیا۔ رومی حاکم کا دستور تھا کہ عید پر لوگوں کی خاطر ایک قیدی جسے وہ چاہتے تھے چھوڑ دیتا تھا۔ اس وقت برابا نام کا ان کا ایک مشہور ڈاکو قیدی تھا۔ پس جب وہ اکٹھے ہوئے تو پیلاطس نے ان سے کہا: تم کسے چاہتے ہو کہ میں تمھاری خاطر چھوڑ دوں۔ برابا ڈاکو کو یا یسوع کو جو مسیح کہلاتا ہے۔ کیوں کہ اسے معلوم تھا کہ انھوں نے اس کو حسد سے پکڑوا دیا ہے۔ انھوں نے کہا برابا کو۔ پیلاطس نے ان سے کہا پھر یسوع کو جو مسیح کہلاتا ہے کیا کروں۔ سب نے کہا وہ مصلوب ہو۔ اس نے کہا کیوں۔ اس نے کیا برائی کی ہے۔ مگر وہ اور بھی چلا چلا کر کہنے لگے وہ مصلوب ہو۔ جب پیلاطس نے دیکھا کہ کچھ بن نہیں پڑتا بلکہ الٹا بلوا ہوا جاتا ہے تو پانی لے کر لوگوں کے روبرو اپنے ہاتھ دھوئے اور کہا: میں اس راست باز کے خون سے بری ہوں۔ تم جانو۔ سب لوگوں نے جواب میں کہا: اس کا خون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر۔ اس پر اس نے برابا کو ان کی خاطر چھوڑ دیا اور یسوع کو کوڑے لگوا کر حوالہ کیا کہ مصلوب ہو۔ اس پر حاکم کے سپاہیوں نے یسوع کو قلعہ میں لے جا کر ساری پلٹن اس کے گرد جمع کی اور اس کے کپڑے اتار کر اسے قرمزی چوغہ پہنایا اور کانٹوں کا تاج بنا کر اس کے سر پر رکھا اور ایک سرکنڈا اس کے ہاتھ میں دیا اور اس کے آگے گھٹنے ٹیک کر اسے ٹھٹھوں میں اڑانے لگے کہ اے یہودیوں کے بادشاہ آداب۔ اور اس پر تھوکا اور وہی سرکنڈا لے کر اس کے سر پر مارنے لگے۔ اور جب اس کا ٹھٹھا کر چکے تو چوغہ کو اس پر سے اتار کر پھر اس کے کپڑے اسے پہنائے اور مصلوب کرنے کو لے گئے۔ (متی باب ۲۸)

یہود نے اپنی تاریخ کے مطابق، یسعیاہ نبی، یرمیاہ نبی، زکریا نبی، یحییٰ نبی کو قتل کیا۔ عیسیٰ مسیح کو بھی اپنے خیال کے مطابق قتل کر ڈالا۔ تاہم اللہ نے آنجناب کو بچا لیا۔ اسی طرح انھوں نے سیکڑوں کی تعداد میں اپنی قوم کے صالحین کو قتل کیا۔ یہ غیر معمولی سنگ دلی ان سے کیوں ظاہر ہوئی۔ اس کی وجہ صرف ایک تھی: تنقید کو برداشت نہ کرنا۔ انبیاء اور ان کے سچے پیرو یہود کی برائیوں پر ٹوکتے تھے اور ان کو انصاف کی تلقین کرتے تھے (و یقتلون الذین یأمرون بالقسط، آل عمران ۲۱) یہود نے اپنی بے دین زندگی پر دین کا لیبل لگا رکھا تھا۔ داعیان حق جب اس کی حقیقت کھولتے تو وہ بگڑ جاتے۔ یہی صورت حال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے وقت پیش آئی۔ یہود اپنے کو اس حیثیت سے پیش کرتے تھے کہ وہ آسمانی ہدایت کے حامل ہیں۔ وہ نبیوں کی اولاد ہیں۔ وہ دین خداوندی کے نمائندے ہیں۔ ایسی حالت میں ان کو محسوس ہوا کہ قرآن کی دعوت ان کی دینی حیثیت کو بے اعتبار بنا رہی ہے۔ وہ ان کو دینی پیشوائی کی گدی سے

آ رہی ہے۔ وہ آپ کی دعوت کے سخت مخالف ہو گئے۔ حتیٰ کہ مشرکین سے بھی زیادہ (مائدہ ۔ ۸۲) مکہ کے مشرکین نے یہودی علماء سے پوچھا: دیننا خیر ام دین محمد (ہمارا دین اچھا ہے یا محمد کا دین) یہودیوں نے جواب دیا بل دینکم خیر من دینہ (تمھارا دین محمد کے دین سے اچھا ہے) انھوں نے آپ کو اور آپ کی دعوت کو ختم کرنے کے لئے ہر ناجائز کو اپنے لئے جائز کر لیا۔ سازش، ظلم، عہد شکنی، بے انصافی، قتل یہ سب چیزیں ان کی شریعت میں حرام تھیں مگر اسلام کی دعوت کو مٹانے کے لئے یہ سب چیزیں ان کے لئے حلال بن گئیں۔

آسمانی کتاب کے حامل گروہ میں یہ قساوت (سخت دلی) کیسے آتی ہے کہ وہ ڈاکوؤں کو گوارا کرے اور ایک بے ضرر بندۂ خدا کو عدالت میں گھسیٹے۔ وہ کفار و مشرکین کا استقبال کرے اور اللہ کی طرف بلانے والے شخص کا بدترین دشمن بن جائے۔ وہ خدائی ہدایت کے نام پر قیادت حاصل کرے اور جب خدائی ہدایت پر عمل کرنے کے لئے کہا جائے تو وہ کہنے والے کے لئے بھیڑیئے سے زیادہ بے رحم ثابت ہو۔ وہ دین خداوندی کو دنیوی کاروبار بنائے اور جب اس پر اسے ٹوکا جائے تو وہ اس کو ذبح کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ اس کے سامنے کھلے کھلے دلائل اور نشانیاں آئیں مگر وہ بے پروائی کے ساتھ ان کو نظر انداز کر دے۔ اس بدترین قساوت کی وجہ، قرآن کے مطابق، وہ خود ساختہ عقیدہ ہے جو اس کو خدا کی پکڑ سے بے خوف بنا دیتا ہے:

ذلک بانھم قالوا لن تمسّنا النار الا ایاماً معدودات وغرھم فی دینھم ماکانوا یفترون (آل عمران ۔ ۲۴)

یہ اس سبب سے کہ انھوں نے کہا کہ ہم کو آگ نہیں چھوئے گی بجز چند گنے ہوئے دنوں کے۔ جو کچھ یہ گھڑتے رہتے ہیں اس نے ان کو ان کے دین کے بارے میں دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔

دینی تعلیمات کا خود ساختہ مطلب نکال کر یہود نے یہ عقیدہ بنا لیا تھا کہ جنت ان کے لئے لکھی جا چکی ہے۔ ان کے انبیاء اور بزرگ اس وقت تک جنت میں نہ جائیں گے جب تک تمام اسرائیلیوں کو جنت میں داخل نہ کر لیں۔ ان کا کہنا تھا کہ "جہنم کی آگ اسرائیلی گنہ گاروں پر کوئی قدرت نہیں رکھتی" اور بالفرض کسی بداعمالی کی وجہ سے دوزخ میں جانا ہوا تو وہ صرف چند دن (زیادہ سے زیادہ چالیس دن) کے لئے ہوگا۔ اس قسم کا عقیدہ جب کسی گروہ میں پیدا ہو جائے تو اس کے اندر سے عذاب آخرت کا کھٹکا نکل جاتا ہے۔ وہ ظلم اور سرکشی کے لئے بے حد جری ہو جاتا ہے۔ اس کو جب کسی سے عداوت ہوتی ہے تو اس کو ذلیل اور ناکام کرنے کے لئے وہ کسی حد پر نہیں رکتا۔ کیوں کہ آدمی کو روکنے والی چیز جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ کا اندیشہ ہے اور اس سے وہ پہلے ہی محفوظ ہو چکا ہے۔

آدمی ہمیشہ ایسی آواز کا دشمن ہو جاتا ہے جس میں اس کو اپنی حیثیت کی نفی ہوتی ہوئی دکھائی دے۔ اور جب معاملہ دینی حیثیت کی نفی کا ہو تو آدمی کا ردعمل اور بھی زیادہ شدید ہوتا ہے۔ کیوں کہ ایسی صورت میں نہ صرف دنیوی حیثیت مجروح ہوتی بلکہ آخرت کا انعام بھی مشتبہ ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔

حکمت کے موتی کون پاتا ہے

قرآن میں جو کردار بیان ہوئے ہیں، ان میں سے ایک قارون ہے۔ وہ ایک اسرائیلی تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا ہم عصر تھا۔ مصر کے قبطی حکمرانوں کا ساتھ دے کر اس نے بے حساب دولت اپنے پاس جمع کر لی تھی۔ ایک روز وہ اپنی پوری شان کے ساتھ لوگوں کے سامنے نکلا۔ اسرائیلیوں میں سے کچھ لوگ اس کو دیکھ کر مرعوب ہوگئے۔ انھوں نے کہا: قارون بھی کیسا خوش قسمت ہے۔ کاش ہم کو بھی وہ چیز حاصل ہوتی جو اس کو ملی ہوئی ہے۔ اسرائیلیوں میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو سچائی کو پائے ہوئے تھے۔ انھوں نے کہا: قارون کی دنیوی شان وشوکت پر رشک نہ کرو۔ ان چیزوں کی کوئی حقیقت نہیں۔ اصل خوش قسمتی تو یہ ہے کہ آدمی کو آخرت کی کامیابی حاصل ہو۔ اور آخرت کی کامیابی کا کوئی تعلق دنیا کی چمک دمک سے نہیں ہے۔ وہ تو صرف انھیں کو ملے گی جو سچے مومن ہوں اور وہ کام کریں جو اللہ کو پسند ہے۔ اسرائیلی علمار کا یہ جواب نقل کرنے کے بعد قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

ولا یلقٰھا الا الصٰبرون (قصص ۸۰) اور یہ بات انھیں کو دی جاتی ہے جو صبر کرنے والے ہیں

یعنی حقیقت کا یہ مقام کہ آدمی دنیا کی شان وشوکت سے اوپر اٹھ کر حقیقت کو دیکھ سکے، بڑے تپ کا مقام ہے۔ یہ انھیں لوگوں کے حصہ میں آتا ہے جو دنیا کی زینتوں کی طرف دوڑنے سے اپنے کو بچائیں۔ جو اپنی سوچ اور اپنی دلچسپیوں کو نمائشی چیزوں میں نہ الجھائیں۔ جو وقتی ہنگاموں میں کھونے کے بجائے ابدی کائنات میں مصروف رہتے ہوں۔ جو دنیا سے گزر کر آخرت میں جینے لگے ہوں۔ یہ بڑے تپ کا کام ہے۔ اس میں اپنے آپ کو جانتے بوجھتے ذبح کر دینا پڑتا ہے۔ مگر اعلیٰ سچائی کو پانے کا دوسرا کوئی راستہ نہیں۔ رجھانے والی دنیا میں رہ کر جو اپنے آپ کو ریجھنے سے بچا سکے۔ اسی پر بالاتر حقیقتوں کا راز کھلتا ہے۔ جو سامنے کی چمک دمک میں کھو گیا وہ کبھی آگے کی اعلیٰ تر چیزوں سے آشنا نہیں ہو سکتا۔ دنیوی ہوشیاری دکھانا بلاشبہ دنیا میں آدمی کو عزت اور ترقی عطا کرتا ہے۔ مگر یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ "دنیوی ہوشیاری" ہی وہ چیز ہے جو آدمی کو آخرت کی ہوشیاری سے محروم کر دیتی ہے۔ آخرت کی عقل اسی کے حصہ میں آتی ہے جو دنیا کی محرومیوں کو جھیلنے کے لئے تیار ہو، جو دنیوی مصلحتوں کو حق کی خاطر قربان کر سکے، جو ظاہری عزتوں پر گم نامی کی زندگی کو ترجیح دے سکے، جو عوامی مقبولیت کو عوامی نامقبولیت کے بدلے میں دے سکے، جو ملتے ہوئے مفادات کی قیمت دے کر ذاتی نقصان کو خرید سکے، جو نفس کی تسکین کو چھوڑ کر نفس کو دبانے کے راستہ پر چلنے کے لئے تیار ہو۔ دنیا کی رونقوں میں نہ بہنا بڑا پر مشقت عمل ہے مگر اسی شخص پر معرفت حق کے دروازے کھلتے ہیں جو اس مشقت کو برداشت کرے۔ دنیا کی محرومی پر قانع ہونا بڑے صبر کا کام ہے مگر جو دنیا کی محرومیوں پر صبر کرتا ہے وہی وہ شخص ہے جس کو اس لئے چنا جاتا ہے کہ حکمت کے موتیوں سے اس کے دامن کو بھر دیا جائے۔

جب بادشاہ بھی تنقید سن کر برہم نہیں ہوتے تھے

سلطان بایزید ایک ترک بادشاہ گزرا ہے۔ اس کے زمانہ میں مولانا شمس الدین رومی حاکم عدالت تھے۔ ان کے یہاں ایک مقدمہ آیا جس میں خود سلطان بایزید گواہ تھا۔ جب مقدمہ پیش ہوا اور بادشاہ گواہی دینے کے لئے آیا تو مولانا شمس الدین رومی نے کہا: سلطان بایزید کی شہادت معتبر نہیں ہے، اس لئے ان کی شہادت قبول نہیں کی جاسکتی۔ بادشاہ کو غصہ آگیا۔ اس نے پوچھا اس کا سبب کیا ہے۔ مولانا شمس الدین رومی نے کہا کہ آپ نماز میں جماعت کے پابند نہیں ہیں اور جو شخص باجماعت نماز کی ادائگی میں کوتاہ ہو اس کی گواہی معتبر نہیں۔

سلطان بایزید نے اپنی غلطی کا فوراً اعتراف کرلیا۔ بادشاہ وقت کی حیثیت سے سارا اقتدار اس کے پاس تھا اور وہ قاضی کے خلاف کارروائی کرسکتا تھا۔ مگر اس نے قاضی صاحب کی اس صاف گوئی پر خوشی کا اظہار کیا اور اس کے بعد پابندی کے ساتھ نماز کے لئے مسجد میں حاضر ہونے لگا۔ سلطان نے ایک موقع پر کہا: مجھے فخر ہے کہ میری سلطنت میں ایسے ایمان دار اور انصاف پسند قاضی موجود ہیں جو بادشاہ کے آگے بھی حق کا اظہار کرنے سے نہیں رکتے۔

زندگی کھیل تماشا نہیں

لارڈ ماؤنٹ بیٹن (۱۹۰۰—۱۹۷۹) ملکہ وکٹوریہ کی پوتی کے لڑکے تھے۔ ان کو اپنی زندگی میں ہر قسم کی کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ ان کو شاہ سمندر (Sea Lord) کا خطاب ملا۔ مگر سمندر کی لہریں ہی ان کے لئے موت کا پیغام ثابت ہوئیں۔ وہ ایک خصوصی کشتی کے ذریعہ آئرلینڈ اور انگلینڈ کے درمیان سفر کررہے تھے کہ ان کی کشتی میں دھماکا ہوا اور وہ فوراً ہی مرگئے۔ اپنی عمر کے آخری حصہ میں انھوں نے ایک بار بی بی سی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا:

I've enjoyed the fun of life, and I'm only sorry I won't be there to see the fun of the funeral.

میں نے زندگی کے تماشے کا لطف اٹھایا۔ اب مجھ کو صرف یہ افسوس ہے کہ میں اپنے جنازہ کے جلوس کو دیکھنے کا لطف نہ اٹھا سکوں گا (ٹائمس آف انڈیا ۹ ستمبر ۱۹۷۹) لوگ زندگی اور موت کو بس ایک قسم کا کھیل تماشا سمجھتے ہیں۔ کاش ان کو معلوم ہوتا کہ زندگی ایک انتہائی سنجیدہ معاملہ ہے اور موت اس سے بھی زیادہ سنجیدہ معاملہ۔

● خدا کے آگے جھکنے کی علامت یہ ہے کہ آدمی معقولیت کے آگے جھک جائے۔ جو شخص معقولیت کے آگے نہ جھکے، وہ خدا کے آگے بھی جھکا ہوا نہیں ہے۔ خواہ بظاہر وہ کتنا ہی خدا پرستی کی نمائش کرتا ہو۔

وہ ہماری خوراک ہیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو مصر سے نکالا اور ان کو لے کر صحرائے سینا میں پہنچے۔ یہاں وہ چالیس سال (۱۴۰۰-۱۴۴۰ ق م) تک رہے۔ یہاں کے قیام کے ابتدائی زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا کہ فلسطین اور اس کے آس پاس کی زمین تمھارے لئے لکھ دی گئی ہے۔ تم وہاں داخل ہو جاؤ اور اس کو فتح کر لو۔ (استثنا ۱: ۸) اس وقت حضرت موسیٰ اپنی قوم کے ساتھ دشت فاران میں خیمہ لگائے ہوئے تھے۔ آپ نے قوم کے بارہ سرداروں کو فلسطین و شام کی طرف بھیجا تاکہ وہ "زمین کنعان کی جاسوسی کریں"۔ یہ علاقہ اس وقت عمالقہ کے قبضہ میں تھا۔ یہ لوگ چالیس دن تک سفر کرتے رہے اور اس کے بعد آکر بتایا کہ وہ لوگ بڑی طاقت والے اور قدآور ہیں۔ ہم اپنی نظروں میں ان کے سامنے ایسے تھے جیسے ٹڈے (گنتی ب ۱۳) یہ سن کر ساری جماعت چلا اٹھی کہ ہم ان سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ انھوں نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ تم اور تمھارا خدا جاکر لڑیں۔ ہم تو یہیں رہیں گے (مائدہ ۲۵) اس وقت بنی اسرائیل کی تحقیق کرنے والی جماعت میں سے دو آدمی اٹھے۔ بائبل کی روایات میں ان کا نام یوشع بن نون اور کالب بن یوفنا بتایا گیا ہے۔ انھوں نے کہا: اگر خدا ہم سے راضی ہے تو ہم کو اس زمین پر لے جائے گا اور یہ زمین جس پر دودھ اور شہد بہہ رہا ہے، ہم کو عنایت کرے گا۔ مگر تم خداوند سے بغاوت نہ کرو اور نہ تم اس زمین کے لوگوں سے ڈرو۔ وہ تو ہماری خوراک ہیں۔ ان کا سایہ ان سے جا چکا ہے۔ پر خداوند ہمارے ساتھ ہے (گنتی ب ۱۴)

ان دونوں آدمیوں کی بابت قرآن میں جو الفاظ آئے ہیں، وہ یہ ہیں:

قال رجلٰن من الذین یخافون انعم اللہ علیھما ادخلوا علیھم الباب فاذا دخلتموہ فانکم غٰلبون وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مومنین
(مائدہ ۲۴)

کہا دو آدمیوں نے جو کہ ڈرنے والوں میں تھے، جن پر اللہ نے انعام کیا تھا، تم ان پر چڑھائی کر کے شہر کے دروازہ تک چلو۔ جب تم دروازہ میں قدم رکھو گے اسی وقت غالب آجاؤ گے۔ اور اللہ کے اوپر توکل کرو، اگر تم اس پر یقین رکھتے ہو

قرآن کے اس بیان سے توکل کی حقیقت واضح ہوتی ہے۔ توکل یہ نہیں ہے کہ آدمی کوئی کام نہ کرے۔ وہ بے کار پڑا رہے اور کہے کہ خدا خود ہی بھیج دے گا۔ توکل اپنی ذات کے بجائے اللہ پر اعتماد کرنے کا نام ہے۔ توکل یہ ہے کہ آدمی کوشش کو اپنی ذمہ داری قرار دے اور نتیجہ کو اللہ کا حق سمجھے۔ وہ اللہ کی ہدایت کی روشنی میں اپنے لئے صحیح راستہ کا انتخاب کرے اور اس پر پوری طرح جم جائے۔ اس کے بعد جدوجہد کی راہ میں مشکلات و مصائب پیش آئیں تو اس یقین کے ساتھ اس پر جما رہے کہ اللہ ضرور اس کا ساتھ دے گا اور اس کو اس منزل تک پہنچائے گا جو اس کی دنیا و آخرت کے لئے بہتر ہے ——— جو اللہ سے ڈرتا ہے اس کے دل سے ہر چیز کا ڈر نکل جاتا ہے۔ اللہ جس کے ایمان کو قبول کر لیتا ہے اس پر اس کی یہ خصوصی عنایت ہوتی ہے کہ وہ چیزوں کو ان کی حقیقی صورت میں دیکھنے لگتا ہے۔ وہ اللہ کو پا لیتا ہے اور اسی کے ساتھ اللہ کی حکمت کو بھی۔

کل اور آج کا فرق

فرانس کے شہر رائن (Rouen) میں ۱۲۰۰ اور ۱۲۲۵ء کے درمیان چھ بار آگ لگی۔ ہر بار پورا شہر جل کر خاک ہوگیا۔ کیوں کہ اس وقت فرانس میں آگ بجھانے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ ۱۲۰۰ء تک یورپ کے کسی شہر میں پختہ سڑکیں نہیں پائی جاتی تھیں۔ لوگ گھر کا کوڑا سڑکوں پر ڈال دیا کرتے تھے جس کی صفائی کے لئے کوئی سرکاری انتظام موجود نہ تھا۔ رات کے وقت کوئی آدمی گھر سے نکلتا تو وہ لالٹین لے کر نکلتا۔ کیوں کہ شہروں میں روشنی کا رواج نہ تھا۔ آج کی طرح پولس کا انتظام نہ تھا۔ ہر شخص کو اپنی حفاظت خود کرنی پڑتی تھی۔ یہ دور جس کو "قرون وسطیٰ" کا دور کہا جاتا ہے، اس وقت یورپ کے شہروں میں بدنظمی عام تھی۔ مکانات معمولی مٹی کے ہوتے تھے۔ اس قسم کی تفصیلات پیش کرنے کے بعد عالمی انسائیکلوپیڈیا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

"یہاں قرون وسطیٰ کے شہروں کی بابت جو کچھ لکھا گیا اس کا کوئی جزء اس شان دار تہذیب پر چسپاں نہیں ہوتا جو اس زمانہ میں مسلمانوں نے اسپین میں قائم کی تھی۔ مسلمانوں کا شہر قرطبہ قرون وسطیٰ میں یورپ کا سب سے بڑا شہر تھا، اس کے باشندے اعلیٰ ترین معیار زندگی پر فخر کر سکتے تھے جو یورپ میں کہیں بھی سیکڑوں برس تک موجود نہ تھا"

World Book Encyclopedia (1963) Vol. 12(M) p. 429

مسلمان جو کسی وقت ساری دنیا میں سب سے آگے تھے، آج دنیا بھر میں سب سے پیچھے کیوں ہوگئے۔ اس کی وجہ صرف ایک ہے۔ اور وہ یہ کہ ان کے اندر تعمیری ذہن نہیں۔ موجودہ زمانہ میں مسلمان اگرچہ بہت بڑے پیمانہ پر سرگرمیاں دکھا رہے ہیں۔ مگر یہ سرگرمیاں منفی ذہن کی پیداوار ہیں نہ کہ مثبت ذہن کی پیداوار۔ دور اول کے مسلمانوں کو قرآن کے ایجابی فکر نے متحرک کیا تھا، موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کو جس چیز نے متحرک کیا ہے وہ صرف وہ شکایتیں ہیں جو ان کو دوسری قوموں سے پیدا ہوئی ہیں۔ شکایتی ذہن کے تحت کبھی تعمیری سرگرمیاں وجود میں نہیں آتیں۔ شکایت اور احتجاج کی زمین پر صرف شور وغل اور منفی ہنگاموں کی فصل اگتی ہے اور وہی آج بہت بڑے پیمانہ پر ہمارے یہاں اگی ہوئی ہے۔

توہم پرستی کہاں تک لے جاتی ہے

اہل کارتھیج اور رومیوں کی مشہور جنگ میں جب کارتھیج کے باشندوں کو شکست ہوئی تو انھوں نے سمجھا یہ اس غلطی کا نتیجہ ہے جو مولوک دیوتا کی عبادت کے سلسلہ میں ان سے ہوتی رہی ہے۔ یہ دیوتا ان کے عقیدے کے مطابق ان کے اشراف کے لڑکوں کی قربانی پسند کرتا تھا۔ مگر کارتھیج کے اعلیٰ خاندانوں نے اپنے لڑکوں کو بچانے کے لئے کئی سال یہ کیا کہ وہ قربانی کے دن چپکے سے کسی معمولی لڑکے کو پکڑ کر اسے قربان کر دیتے تھے۔ جب انھیں شکست ہوئی تو انھوں نے سمجھا کہ ان کی اس بدعنوانی کی وجہ سے دیوتا ناراض ہوگیا ہے۔ چنانچہ اعلیٰ خاندان کے کئی لڑکے مقدس آگ میں جھونک دئے گئے۔

عبرت کے لیئے

اخبار الاہرام (قاہرہ) کے سابق ایڈیٹر محمد ہیکل کی ایک ۲۸۵ صفحات کی کتاب ہے۔ اصل کتاب انگریزی میں دی روڈ ٹو رمضان کے نام سے چھپی ہے اور اس کا عربی ترجمہ الطریق الی رمضان کے نام سے شائع ہوا ہے۔ مصنف نے اس کتاب میں اکتوبر ۱۹۷۳ کی مصر۔ اسرائیل جنگ اور اس سے چھ سال پہلے کے حالات پر اپنی معلومات پیش کی ہیں۔ پوری کتاب دل چسپ واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ اس سلسلہ میں چند واقعات یہاں عبرت کے لئے نقل کئے جاتے ہیں

وہ ایٹم بم خریدنے گئے

(لیبیا کے فوجی انقلاب ستمبر ۱۹۶۹ کے بعد صدر معمر قذافی قاہرہ آئے) ایک موقع پر جب کہ صدر ناصر ان کو بتارہے تھے کہ اسرائیل اور عربوں کے درمیان ٹینک، ہوائی جہاز وغیرہ میں طاقت کی نسبت کیا ہے۔ قذافی نے بھڑک کر کہا: نہیں، نہیں۔ ہمیں سیدھے ایک بھرپور جنگ کرنا چاہئے اور اسرائیل کا خاتمہ کر دینا چاہئے۔ ناصر نے ضبط کرتے ہوئے کہا یہ ناممکن ہے۔ بین اقوامی صورت حال ہم کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں دے گی۔ نہ روس اور نہ امریکہ ایسی صورت حال پیدا ہونے کی اجازت دیں گے جس سے ایٹمی جنگ چھڑ سکتی ہو۔ قذافی نے پوچھا: "کیا اسرائیل کے پاس ایٹم بم ہیں"۔ ناصر نے کہا: ہاں اس کا غالب امکان ہے۔ قذافی نے دوبارہ پوچھا: کیا ہمارے پاس بھی ایٹم بم ہیں۔ ناصر نے کہا: نہیں۔ ہمارے پاس نہیں ہیں۔

دو یا تین ماہ بعد لیبیا کی دوسرے درجہ کی بڑی شخصیت میجر جالود اچانک مصر آئے اور ناصر سے ملے۔ انھوں نے کہا کہ ان کا یہ سفر بہت خفیہ ہے اور ان کا واحد مقصد صدر ناصر سے ملنا ہے۔ صدر ناصر نے ملاقات کے وقت پوچھا کہ ان کو کیا مشورہ درکار ہے۔ جالود نے کہا: ہم ایک ایٹم بم خریدنے جارہے ہیں۔ ناصر نے پوچھا وہ کہاں سے اس کو خریدنے جارہے ہیں۔ جالود نے کہا کہ ان کو معلوم ہے کہ امریکی اور روسی ہمارے ہاتھ ایٹم بم بیچنے کے لئے تیار نہ ہوں گے۔ مگر امید ہے کہ چینی اس کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ ناصر نے کہا کہ جہاں تک وہ جانتے ہیں ایٹم بم خرید کر کبھی حاصل نہیں کئے جا سکتے۔ جالود نے کہا: ہم کوئی بڑا ایٹم بم نہیں چاہتے۔ بس جنگی تدبیر کے طور پر ایک (اوسط درجہ کا) بم کافی ہوگا۔ ہم نے چینیوں سے رابطہ قائم کیا اور ان سے کہا کہ ہم اپنا ایک آدمی وہاں ملاقات اور گفتگو کے لئے بھیجنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ہم خیر مقدم کے لئے تیار ہیں۔ اب میں چین جارہا ہوں۔

جالود بھیس بدل کر روانہ ہوئے۔ انھوں نے لیبی پاسپورٹ کے بجائے مصری پاسپورٹ لیا اور پاکستان اور ہندوستان کے راستے سے سفر کرکے پیکنگ پہنچے۔ چینیوں کو خبر نہ تھی کہ اس سفر کا مقصد کیا ہے۔ مگر چو این لائی کے ساتھ ملاقات کا ایک وقت مقرر ہوگیا۔ اس ملاقات میں لیبیا کی انقلابی کونسل کے نائب صدر نے بتایا کہ وہ ایک بہت ضروری معاملہ کے لئے پیکنگ آئے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ چین تمام ایشیائی ملکوں کے لئے باعث فخر ہے۔

آپ لوگوں نے پس ماندہ ملکوں کی مدد کے لئے بہت کچھ کیا ہے اور دنیا کے سامنے یہ ثابت کر دیا ہے کہ آپ لوگ اتنے ہی طاقت ور ہیں جتنا کہ مغرب۔ اس لئے ہم لیبیا سے آپ کی مدد حاصل کرنے کے لئے آئے ہیں۔ ہم آپ کے اوپر بوجھ بننا نہیں چاہتے اور ہم جانتے ہیں کہ یہ چیزیں بہت زیادہ داموں میں تیار ہوتی ہیں۔ ہم ایک ایٹم بم خریدنا چاہتے ہیں" چاؤ این لائی نے اس کے جواب میں نہایت نرم لہجہ اختیار کیا۔ انھوں نے معیاری چینی اخلاق کے ساتھ کہا کہ ایٹم بم فروخت نہیں کئے جاتے۔ چین کو یقیناً اس سے خوشی ہوگی کہ وہ ریسرچ کے کام میں لیبیا کی مدد کرے جس طرح چند سال پہلے چین نے مصر کو تحقیقاتی مدد دینے کے لئے آمادگی ظاہر کی تھی۔ ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری لیبیا کو خود اپنے آپ کرنی ہوگی۔ ہر قوم کو خود کفیل بننے کی کوشش کرنا چاہئے۔ وغیرہ۔ چنانچہ میجر جالود چین سے خالی ہاتھ واپس آگئے (صفحہ ۷۷-۷۶)

کہا جاتا ہے کہ صدر ناصر جب مصر میں برسر اقتدار آئے تو انھوں نے بھی ایٹم بم کی خریداری کے لئے ایک وفد روس بھیجا تھا اور وہاں ان کو وہی جواب دیا گیا جو لیبی وفد کو چین میں جواب دیا گیا۔

ایک تسبیح کے بدلے ۲۰ ملین پونڈ

لیبیا میں یکم ستمبر ۱۹۶۹ کے انقلاب کے نتیجہ میں شاہ ادریس کی حکومت ختم ہوگئی اور موجودہ حکومت قائم ہوئی۔ اس واقعہ کی خبر جب پہلی بار صدر جمال عبدالناصر کو دی گئی تو حاضرین نے اس پر مختلف انداز سے تبصرہ شروع کیا۔ صدر ناصر نے اس موقع پر اپنا ایک واقعہ بیان کیا۔ انھوں نے کہا: مجھے یاد ہے کہ ایک موقع پر جب کہ ہم کو ہتھیار خریدنے کے لئے رقم کی فوری ضرورت تھی۔ میں نے حسن صبری الخولی کو شاہ ادریس کے پاس بھیجا اور ان سے اس موقع پر تعاون کی درخواست کی۔ شاہ ادریس نے فوراً وعدہ کر لیا کہ وہ ہم کو ۲۰ ملین پونڈ دے دیں گے، صرف ایک شرط پر۔ وہ یہ کہ ہم ان کو وہ تسبیح واپس کر دیں جو ان کے خاندان کے ایک بزرگ نے الازہر کی مسجد کے لئے دی تھی اور جس کے متعلق ان کا خیال تھا کہ وہ اب بھی مسجد کی کسی کھونٹی پر لٹکی ہوئی ہے۔ میں نے حسن الخولی سے کہا کہ وہ الازہر جائیں اور مذکورہ تسبیح حاصل کریں اور اس کو شاہ ادریس تک پہنچا دیں۔ حسن الخولی نے فوراً ایسا کیا اور شاہ ادریس نے وعدہ کے مطابق ہم کو ۲۰ ملین پونڈ کی رقم پیش کر دی صفحہ ۶۹-۶۸

ہارنے والے کو خوش آمدید!

۱۹۶۷ کی مصر-اسرائیل جنگ میں مصر کو بری طرح شکست ہوئی۔ اس کے بعد ہی اگست ۱۹۶۷ میں خرطوم کانفرنس ہوئی۔ ناصر کانفرنس میں شرکت کے لئے پہنچے تو خرطوم کے ہوائی اڈے پر تقریباً پانچ لاکھ آدمی ان کے استقبال کے لئے موجود تھے۔ امریکی میگزین نیوز ویک نے اپنی رپورٹ میں اس کا عنوان قائم کیا: مفتوح کو خوش آمدید (Hail to the Conquered) تاہم اسی اجلاس میں شرکت کے لئے اگلے دن شاہ فیصل مرحوم آئے تو ہوائی اڈہ پر ان کا استقبال کرنے کے لئے کوئی بھیڑ موجود نہ تھی۔ تھوڑے سے لوگ جو آئے انھوں نے بھی جو نعرہ لگایا وہ یہ تھا "ناصر کا ساتھ دو" (صفحہ ۵۲)

مسلمان .. کل اور آج

آج کل کسی بڑے قومی ادارہ کا ذکر ہو تو مشکل ہی سے اس کے ذیل میں کسی مسلمان کا نام آتا ہے۔ مگر آزادی سے قبل صورت حال بالکل مختلف تھی۔ اس وقت قومی اداروں کے ساتھ مسلمانوں کے نام اتنی کثرت سے وابستہ تھے کہ کسی ادارہ کے تذکرہ کے ذیل میں کچھ نہ کچھ مسلمانوں کا تذکرہ آجانا ضروری تھا۔ مسٹر ڈی۔ڈی لکھن پال (سابق صدر ریڈیو مینوفیکچررس ایسوسی ایشن آف انڈیا) پچھلے دور میں لمبی مدت تک آل انڈیا ریڈیو سے متعلق رہے ہیں۔ انھوں نے قومی نشریاتی ادارہ سے متعلق اپنی یادداشت شائع کی ہے (ٹائمس آف انڈیا ۳ جولائی ۱۹۷۵)

اس مضمون میں آل انڈیا ریڈیو کے سابقہ حالات کا ذکر کرتے ہوئے جن شخصیتوں کے نام آئے ہیں ان کی تعداد کل آٹھ ہے جن میں سے چار مسلمان ہیں:

سرابراہیم رحمت اللہ، وائی اے فضل بھائی، حاجی حسن علی، سراکبر حیدری

اسی طرح سوتنترلیڈر مسٹر مینومسانی (۔ ۱۹۰۵) سے ایک اخبار نویس نے پوچھا "آپ اپنی زندگی میں سب سے زیادہ کس سے متاثر ہوئے ہیں" انھوں نے جواب دیا: یوسف مہر علی نے میری زندگی کو نئے افکار سے دوچار کیا، میرا کردار بدلا اور میری قوت فکر کو جلا دی۔ وہ میرے کالج کے ساتھی تھے اور میں اپنی زندگی میں سب سے زیادہ انھیں سے متاثر ہوا ہوں (شبستان)

انیسویں صدی کے نصف آخر اور بیسویں صدی کے نصف اول میں کثرت سے اس قسم کی مثالیں ملتی ہیں۔ بوڑھے غیر مسلموں میں کتنے ہی ایسے ملیں گے جو اپنی زندگی کی سب سے زیادہ قابل ذکر شخصیت کی حیثیت سے کسی مسلمان کا نام لیں گے۔ مگر اب یہ صورت حال بدل چکی ہے۔ اب اس ملک کے مسلمان زندگی کی سرگرمیوں میں قائدانہ مقام سے ہٹ کر پیچھے کی صفوں میں جا چکے ہیں۔

اس فرق کی وجہ کوئی ظلم یا تعصب نہیں ہے۔ اس کی وجہ تمام تر اقتصادی ہے۔ قدیم ہندوستان کی اقتصادی بنیاد زراعت پر قائم تھی۔ اس زمانہ میں مسلمانوں کے قبضہ میں بڑی بڑی زمینداریاں تھیں۔ یہ صورتِ حال ان کو نہ صرف حوصلہ اور اعتماد دیتی تھی بلکہ وہ مالی قیمت بھی ادا کرتی تھی جو کسی شعبہ میں آگے بڑھنے کے لئے ضروری ہے۔ قدیم زمین دار خاندانوں ہی سے عام طور پر وہ لوگ نکلتے تھے جو علم و عمل کے مختلف شعبوں میں ترقی کرتے تھے۔ آزادی کے بعد اقتصادیات کی بنیاد زمین کے بجائے صنعت و تجارت ہو گئی۔ مسلمان نئے اقتصادی نظام میں اپنی جگہ نہ بنا سکے اس لئے وہ زندگی کے تمام شعبوں میں بھی پیچھے رہ گئے۔

گزرے ہوئے "کل" کو واپس لانے کے لئے احتجاج اور مطالبات کی مہم چلانا اپنی محرومی کی مدت کو مزید لمبا کرنا ہے۔ ہمارے لئے کرنے کا واحد کام یہ ہے کہ محنت اور لیاقت کے ذریعہ اقتصادیات کی زمین کو دوبارہ حاصل کریں۔ اس کے بعد ہی یہ ممکن ہے کہ آج کی دنیا میں ہم کو اپنا کھویا ہوا مقام حاصل ہو سکے۔

الفاظ پالینا کافی نہیں

چند دوست کسی جنگل میں ٹہل رہے تھے۔ اتنے میں ایک تیتر کی آواز آئی جو اپنی مخصوص بولی نکال رہا تھا۔ ان میں ایک مولوی صاحب تھے، فوراً کہنے لگے، دیکھو، تیتر آواز لگا رہا ہے: "سبحان تیری قدرت" صوفی بولا نہیں، وہ کہہ رہا ہے: "ورفعنا لک ذکرک" پنڈت نے کہا نہیں۔ وہ تو صاف کہہ رہا ہے: "سیتا رام دسرت" پہلوان بولا، تم لوگ نہیں سمجھتے۔ وہ کہہ رہا ہے: "کھا گھی کر کسرت" قصائی نے کہا نہیں، وہ کہہ رہا ہے: "سر پائے ڈھک کھ" کنجڑے نے کہا، تم میں سے کوئی نہیں سمجھا۔ وہ تو کہہ رہا ہے: "لہسن پیاز ادرک"

یہ لطیفہ بتاتا ہے کہ آدمی اگر کسی بات کو بیان کرنے کے لئے خوبصورت الفاظ پالے تو اس کو اس دھوکے میں نہ پڑنا چاہئے کہ اس نے لازمی طور پر حق کو بھی پالیا ہے۔ عین ممکن ہے کہ اس نے جو کچھ کہا وہ محض الفاظ کا مجموعہ ہو، حقیقتِ واقعہ سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔

جنت کے باشندے کون ہوں گے

قرآن کے مطابق، جنت کی فضا الحمد للہ رب العالمین کے کلمات سے معمور ہو گی۔ یعنی جنت کی دنیا وہ آئیڈیل دنیا ہے جہاں صرف اللہ کی بڑائی کے چرچے ہوں گے۔ قرآن میں بتایا گیا ہے کہ جنت میں ہر طرف "سلام سلام" کا ماحول ہو گا۔ یعنی جنت میں جو لوگ آباد کئے جائیں گے ان کا حال یہ ہو گا کہ ایک انسان کے دل میں دوسرے انسان کے لئے سلامتی کے سوا اور کچھ نہ ہو گا —— پھر جنت میں وہ روح کیونکر داخلہ پائے گی جس کے اندر حمدِ الٰہی کے نغمے نہ جاگے ہوں۔ وہاں وہ شخص کس طرح بسایا جائے گا جس کے دل میں انسان کے لئے سلامتی کے چشمے نہ پھوٹے ہوں۔

ایک تاثر

ہر آدمی اپنے سینہ میں ایک بت لئے ہوئے ہے۔ یہ وہ چھپی ہوئی وفاداریاں ہیں جو اللہ کے بالمقابل لوگوں نے قائم کر لی ہیں۔ آدمی اسی وقت تک شریف اور معقول ہے جب تک اس کی چھپی ہوئی شیفتگیوں اور وفاداریوں پر زد نہ پڑے۔ جہاں اس کے اس چھپے ہوئے بت پر زد پڑی وہ فوراً بھڑک اٹھتا ہے۔ اس وقت وہ اپنے ناقد کے خلاف ہر اس ناانصافی کو جائز ٹھہرا لیتا ہے جو اس کے خدا نے اس کے لئے حرام قرار دیا تھا —— شکایت اور برہمی کے وقت انصاف پر قائم رہنا تقویٰ کی واحد یقینی پہچان ہے۔ مگر یہی وہ کسوٹی ہے جس پر کوئی پورا اترتا ہوا نظر نہیں آتا۔ لوگوں نے حق پرستی کے اپنے اپنے معیار بنا رکھے ہیں اور اپنے آپ کو اس خود ساختہ معیار کے مطابق پا کر مطمئن ہیں کہ وہ ضرور خدا کے یہاں بھی حق پرست قرار پائیں گے۔

نیا جنم لینا پڑتا ہے

ہیلن کلر (۱۹۶۸ــ۱۸۸۰) ایک امریکی خاتون تھی۔ ابھی وہ ۱۹ مہینے کی تھی کہ سخت بیمار ہوئی ـــ اس بیماری سے وہ اٹھی تو وہ اندھی اور بہری ہو چکی تھی۔ ہیلن کے لئے دنیا تاریک بھی تھی اور خاموش بھی۔ مگر اس کی خوش قسمتی سے اس کو ایک لائق خاتون استاد مل گئی۔ اس خاتون نے مسلسل اور اَن تھک محنت سے ہیلن کو پڑھایا۔ وہ پڑھنے اور بولنے والی ہو گئی۔ اس نے اپنی خود نوشت سوانح عمری لکھی ہے جس کا نام ہے The Story of my life ہیلن اپنی اس کتاب میں لکھتی ہے کہ سات سال کی عمر میں جب کہ میری ملاقات میری ٹیچر سے ہوئی، وہ میری روح کا جنم دن تھا:

--- The Birthday of my soul

یہی بات دینی معاملہ میں بھی صحیح ہے۔ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والا آدمی جب دین کی پہچان حاصل کرتا ہے اور خدا و آخرت کو اپنی زندگی میں شامل کرتا ہے تو یہ اتنا بڑا واقعہ ہوتا ہے کہ اس کو "نیا جنم" سے کم کسی لفظ سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔

وہ انسان کون ہے جو اس طرح دوسری بار جنم لیتا ہے۔ یہ وہ انسان ہے جو اپنی پیدا شدہ روح کو دوبارہ ایک ایسے انسان کی صورت میں تخلیق کرتا ہے جو خود آگہی کی صلاحیت رکھتا ہو۔ جو روایتی عقیدہ کے بجائے شعوری فیصلہ کے تحت بنا ہو۔ جو پورے معنوں میں ایک سنجیدہ انسان ہو۔ جو اپنے ذہن کو نفسیاتی پیچیدگیوں کے گھیرے نکال کر حقیقت کی براہ راست روشنی میں لے آئے۔ جس کا فکر خارج رخی فکر کے بجائے اندر رخی فکر بن گیا ہو۔ خلاصہ یہ کہ جو اپنی تلاش سے اپنے پیدا کرنے والے کو پالے۔ جس کی نظر کی گہرائی اس نوبت کو پہنچ جائے کہ وہ دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کو دیکھنے لگا ہو۔

ایسا انسان جب چڑیوں کے چہچہے سنتا ہے تو اس میں اس کو حمد الٰہی کے نغمے سنائی دینے لگتے ہیں۔ جب وہ درخت کے پتوں کو ہلتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس کو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا وہ جنت کی فضاؤں میں لہلہا رہے ہیں۔

کسی کو خدا کی مدد ملنے کا یہ مطلب نہیں کہ اس کو مادی چوٹ نہیں لگے گی۔ اگر ایسا ہوتا تو رسولؐ اور آپ کے اصحاب پر فاقے نہ گزرتے اور تلواروں کے زخم نہ لگتے۔

اس میں شک نہیں کہ مادی چوٹ انسان کے اوپر بہت سخت ہے، اور اس بنا پر بندہ کو اپنے رب سے ہمیشہ راحت و عافیت ہی کی دعا کرنی چاہئے۔ مگر مادی چوٹ ہی وہ چیز ہے جو آدمی کی روحانیات کو زندہ کرتی ہے۔ دنیا کی زندگی میں یہی وہ واحد تجربہ ہے جو لطیف احساسات کو بیدار کرکے انسان کو اس نفسیاتی مقام پر پہنچاتا ہے جہاں وہ ملاء اعلیٰ کا مشاہدہ کر سکے اور عرفان و آگہی کے اس قیمتی خزانہ کو پا سکے جو ہمارے مالک نے مادی دنیا کے ماوراء ہمارے لئے چھپا رکھا ہے۔

کامیابی کا راز

کامیابی کا راز یہ ہے کہ آپ اپنے اندر کوئی امتیازی خصوصیت پیدا کریں۔ خواہ وہ خصوصیت کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو۔ ایک ڈاکٹر نے مطب شروع کیا اور تھوڑے ہی دنوں میں کامیاب ہوگیا۔ انھوں نے یہ خصوصیت دکھائی کہ وہ ہر آنے والے مریض کو سلام میں پہل کرتے۔ عام طور پر ڈاکٹر لوگ اس کے منتظر رہتے ہیں کہ مریض ان کو سلام کرے۔ یہاں ڈاکٹر نے خود مریض کو سلام کرنا شروع کر دیا۔ یہ طریقہ کامیاب رہا اور جلد ہی ان کا مطب خوب چلنے لگا۔ حالانکہ وہ باقاعدہ سند یافتہ نہیں تھے۔ صرف "آر۔ ایم۔ پی" تھے۔

ایک دکان دار نے دیکھا کہ گاہک کے پاس اگر کئی نوٹ ہیں تو عام طور پر وہ میلے اور پھٹے ہوئے نوٹ دوکان دار کو دیتا ہے اور اچھے اور صاف نوٹوں کو بچا کر جیب میں رکھتا ہے۔ اس سے دکان دار نے سمجھا کہ گاہک صاف نوٹ کو پسند کرتا ہے۔ اس نے گاہک کی اس نفسیات کو استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے یہ اصول بنایا کہ جب کوئی گاہک اس سے سامان خریدے گا اور قیمت ادا کرنے کے لئے بڑا نوٹ دے گا تو وہ حساب کرتے وقت ہمیشہ گاہک کو نئے اور صاف نوٹ لوٹائے گا۔ دکان دار کے بکس میں ہر طرح کے نوٹ ہوتے۔ مگر جب وہ گاہک کو دینے کے لئے اپنا بکس کھولتا تو پرانے اور پھٹے ہوئے نوٹوں کو الگ کرتا جاتا اور نئے نوٹ چھانٹ کر گاہک کو دیتا۔ نئے نوٹ حاصل کرنے کے لئے اس نے یہ کیا کہ اپنے تمام پرانے نوٹ جمع کر کے اپنے بینک کو دے دیتا اور اس کے بدلے بینک سے چھوٹے نئے نوٹ حاصل کر لیتا۔ وہ نئے نوٹوں کو اپنے بکس کے پرانے نوٹوں میں ملا دیتا تاکہ گاہک کے سامنے دونوں قسم کے نوٹ ہوں اور وہ دیکھے کہ اس کا دکان دار بکس کے خراب نوٹوں کو الگ کرتا جا رہا ہے اور صاف نوٹوں کو چھانٹ چھانٹ کر اسے دے رہا ہے۔

دکان دار کی یہ تدبیر بظاہر معمولی اور بے قیمت تھی۔ مگر اس نے گاہکوں کو بے حد متاثر کیا۔ وہ سمجھے کہ ان کا دکان دار ان کا بہت خیال کرتا ہے۔ دھیرے دھیرے اس نے اس معمولی تدبیر سے گاہکوں کے دل جیت لئے۔ اس کی دکان اتنی کامیاب ہوگئی کہ ہر وقت اس کے یہاں بھیڑ لگی رہتی (۲ جون ۱۹۷۲)

جب کھرا اور کھوٹا الگ کیا جائے گا

جھوٹی انسانیت اور لفظی بہادری کسی کے کام آنے والی نہیں۔ بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے جب کہ پردہ پھٹ جائے اور ہر آدمی اپنی اصل صورت میں سامنے آجائے۔ اس وقت کتنے عزت والے ذلت کے گڑھے میں پڑے ہوئے دکھائی دیں گے۔ کتنے انصاف اور انسانیت کا نعرہ لگانے والے انصاف اور انسانیت کے قاتل قرار دئے جائیں گے۔ کتنے بہادری کا ٹائٹل لینے والے بزدلی کی کالک سے روسیاہ ہو رہے ہوں گے۔ کتنے اسلام اور ملت اسلام پر فدا ہونے والے اس حال میں نظر آئیں گے گویا کہ اسلام اور ملت اسلام سے ان کا کوئی تعلق ہی نہ تھا۔

دعوت حق کے مقابلہ میں مختلف ردعمل

دعوتِ حق کے مقابلہ میں مختلف انسانوں کی طرف سے جو ردعمل سامنے آتا ہے، اس کو تین بڑی قسموں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔ ایک وہ لوگ جن کی فطرت زندہ ہوتی ہے۔ سچائی کو قبول کرنے کے لئے جن کے سینے کھلے ہوتے ہیں۔ تعصب، کج فہمی، مصلحت پرستی کا کوئی پردہ ان کے دل و دماغ کو گھیرے ہوئے نہیں ہوتا۔ ایسے لوگوں کے سامنے جب سچائی آتی ہے تو وہ ان کو بالکل اپنے دل کی بات نظر آنے لگتی ہے۔ وہ بے اختیار اس کی طرف کھنچ اٹھتے ہیں۔ ان کی طرف سے فی الفور سچائی کی آواز کو مثبت جواب دیا جاتا ہے۔ وہ اتنی جلد اس کی حقیقت کو پا لیتے ہیں اور اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں جیسے وہ پہلے ہی سے اس کے انتظار میں تھے:

یکاد زیتها یضیئ ولولم تمسسه نار (نور) قریب ہے کہ اس کا تیل روشن ہو جائے اگرچہ اس میں آگ نہ لگی ہو

دوسرے لوگ وہ ہیں جن کی نفسیاتی پیچیدگیاں ان کو ابتدائی مرحلہ میں حق کو سمجھنے نہیں دیتیں۔ وہ اس کو "حق کا مسئلہ" نہیں سمجھتے۔ اپنی ضد اور ٹیڑھ کی وجہ سے حق کی آواز ان کو عجیب عجیب روپ میں دکھائی دیتی ہے۔ وہ اس کے مخالف بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس کو کچل دینا چاہتے ہیں۔ تاہم وہ وقت آتا ہے جب کہ ان کی فطرت ان کی ضد پر غالب آتی ہے۔ سچائی کے خلاف اپنے دلائل کا بے وزن ہونا ان پر کھل جاتا ہے۔ ان کی اندرونی آواز بول پڑتی ہے کہ وہ سراسر غلطی پر تھے، اور بات وہی صحیح ہے جو حق کے داعی کی طرف سے کہی جا رہی تھی۔ اس وقت وہ تحفظ ذہنی اور مصلحت پرستی کے تمام لبادے اتار کر سچائی کا اعتراف کر لیتے ہیں اور پکار اٹھتے ہیں کہ یہ حق ہے:

قالت امرات العزیز الآن حصحص الحق (یوسف) وزیر مصر کی عورت نے کہا: اب کھل گئی سچی بات

تیسرا گروہ وہ ہے جو سچائی کی آواز پر اندھے بہرے کی طرح ٹوٹ پڑتا ہے۔ اس کا مصلحت پرستانہ ذہن، اس کی متعصبانہ نفسیات اور اس کی بڑھی ہوئی انانیت اس کے مزاج کو اتنا زیادہ بگاڑ دیتے ہیں کہ حق بات اپنی سیدھی اور صاف شکل میں اس کے ذہن کے خانہ میں نہیں بیٹھتی۔ وہ ہر بات کا الٹا مطلب نکالتا ہے۔ اور ہر دلیل کو رد کرنے کے لئے کچھ دل فریب الفاظ تلاش کر لیتا ہے۔ اس کا یہ مزاج اتنا پختہ ہو چکا ہوتا ہے کہ ابتداءً اگر وہ غلط فہمی کی وجہ سے حق کی طرف نہ بڑھا ہو تو بعد کو اس کی نوعیت واضح ہو جانے پر بھی اس کو قبولیت کی توفیق نہیں ہوتی۔ شعوری یا غیر شعوری طور پر یہ سوال اس کے لئے رکاوٹ بن جاتا ہے کہ اگر میں نے اعتراف کر لیا تو میرا وقار باقی نہیں رہے گا:

واذا قیل له اتق الله اخذته العزة بالاثم (بقرہ) اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر تو اس کا غرور اس کو گناہ پر آمادہ کر دیتا ہے۔

اللہ کے یہاں سب سے افضل وہ لوگ ہیں جو حق کے اعلان کو سنتے ہی اس کی طرف دوڑ پڑیں۔ اسی طرح وہ لوگ بھی اللہ کی رحمت میں حصہ دار ہوں گے جو ابتدائی رکاوٹ کے بعد اس کی آواز کو پہچان لیں اور اس کے آگے جھک جائیں۔ باقی وہ جو اپنی برتری کی خاطر حق کی پکار کو نہ مانیں وہ اللہ کے نزدیک جانور ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ بدتر۔

ایک ستارہ — ایک ارب سورج سے بھی زیادہ روشن

برسات کے موسم میں جب فضا بالکل صاف ہوتی ہے، آسمان پر لمبے نور کے بادل دکھائی دیتے ہیں۔ یہ ہماری کہکشاں ہے جس کے اندر ہمارا سورج واقع ہے۔ نور کے بادل حقیقۃً بادل نہیں ہیں بلکہ بے شمار ستاروں کے مجموعے ہیں جو دور ہونے کی وجہ سے ملے ملے دکھائی دیتے ہیں۔ اگر آپ دوربین سے دیکھیں تو بادل کے بجائے آپ کو الگ الگ ستارے دکھائی دیں گے۔ زمین سے بارہ لاکھ گنا بڑا سورج بظاہر بہت بڑا نظر آتا ہے۔ مگر کہکشاں کے اکثر ستارے اس سے بھی زیادہ بڑے ہیں۔ اس طرح کے بے شمار کہکشانی مجموعے کائنات کی وسعتوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔

فلکیات کی حیران کن دریافتوں میں سے ایک وہ ہے جس کو کوئیسار (Quasar) کہا جاتا ہے۔ کائنات کے انتہائی بعید کناروں پر واقع یہ ستارے بے حد روشن ہیں۔ ایک پوری کہکشاں جس میں سورج یا اس سے بڑے بڑے ایک ارب ستارے ہوں، جتنی انرجی (روشنی اور حرارت) خارج کرتی ہے، اتنی زیادہ انرجی تنہا ایک کوئیسار خارج کرتا ہے۔ اس قسم کے ستارے وسیع خلا میں سیکڑوں کی تعداد میں معلوم کئے گئے ہیں۔ مزید عجیب بات یہ پائی گئی ہے کہ یہ ستارے اکثر جوڑے جوڑے ہیں جو ایک دوسرے کے گرد گھومتے رہتے ہیں۔ کائنات میں انرجی پیدا ہونے کا سب سے طاقت ور عمل جو اب تک سائنس دانوں نے دریافت کیا ہے وہ تھرمو نیوکلیر ری ایکشن (Thermonuclear Reaction) ہے۔ مگر کوئیسار سے خارج ہونے والی بے پناہ طاقت کی توجیہہ کے لئے وہ ناکافی ہے۔ قیاس ہے کہ کوئیسار میں انرجی پیدا ہونے کا طریقہ مکمل طور پر کوئی دوسرا طریقہ ہے جو دیگر ستاروں میں نہیں پایا جاتا۔

نعمتوں سے بھری ہوئی یہ زمین اللہ کے جمال کی مظہر ہے اور خلا کے دہشت ناک ستارے اللہ کے جلال کا مظہر ہیں۔ زمین اگر جنتی زندگی کی علامت ہے تو ستاروں کی شکل میں دہکتے ہوئے شعلے جہنم کی یاد دلاتے ہیں۔ آدمی اگر زمین و آسمان کی ان نشانیوں پر غور کرے تو اس کا سینہ خدا کی یاد سے بھر جائے گا۔

ظاہری بڑائی دیکھ کر بڑا سمجھ لینا

قدیم زمانہ میں انسان کا حال یہ تھا کہ جس چیز کو بھی کچھ نمایاں دیکھا، اس کو معبود بنا لیا۔ بشار بن برد (م ۱۶۷ ھ) آگ کا مٹی پر تفوق ظاہر کرتے ہوئے کہتا ہے:

الارض مظلمة والنار مشرقة   والنار معبودة مذ كانت النار

زمین تاریک ہے اور آگ روشن ، اور آگ جب سے وجود میں آئی ہے، وہ معبود ہی ہے

یہ ذہن آج بھی موجود ہے۔ آج بھی انسان کا یہ حال ہے کہ جس کو کچھ نمایاں دیکھتا ہے اس کو اپنا سب کچھ بنا لیتا ہے۔

ایک سفر

۱۷ ستمبر سے ۲ اکتوبر ۱۹۷۹ تک تقریباً دو ہفتے ریاست جموں و کشمیر میں گزرے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل مقامات پر جانے کا اتفاق ہوا: جموں، راجوری، دوداسن بالا، بکوری، بدھل، سموٹ، تھنہ منڈی، ڈنہ، راجدھانی، بہروٹ۔ دلی کی کثافتوں سے نکل کر جب میں ہمالیہ کی اس سرزمین میں پہنچا تو ایسا محسوس ہوا جیسے میں جہنم کے پڑوس سے نکل کر جنت کے پڑوس میں آگیا ہوں۔ بیشتر وقت راجوری ضلع کے پہاڑی علاقوں میں گزرا۔ دینی موضوعات پر گفتگوؤں اور تقریروں کا سلسلہ ہر جگہ روزانہ جاری رہا۔ ضلع کے مختلف مقامات سے لوگ آآکر ملتے رہے۔ دو مقامات پر جمعہ کے اجتماعات میں تقریر کی گئی۔

نردجال سے ہم نے سڑک چھوڑی تو سامنے پہاڑی کے اوپر ایک بڑا درخت اور اس کے پاس مکان دکھائی دے رہا تھا۔ یہ دوداسن بالا تھا جو ہمارے اس سفر کی پہلی منزل تھی۔ کھلے ہوئے سرسبز ماحول کے درمیان ہم نے اوپر چڑھنا شروع کیا۔ "وہ بستی کہاں ہے جہاں ہم کو پہنچنا ہے" میں نے اپنے ساتھی سے پوچھا۔ "یہی تو وہ بستی ہے جہاں آپ کھڑے ہوئے ہیں" ساتھی نے جواب دیا "مگر یہ تو صرف ایک گھر ہے" میں نے دوبارہ پوچھا۔ "یہاں اسی طرح کی بستیاں ہوتی ہیں"۔ اس کے بعد اس نے دکھایا تو سبز پوش پہاڑوں میں دور دور بکھرے ہوئے بہت سے گھر دکھائی دئے۔ یہاں ہر گھر مستقل ہوتا ہے۔ اپنی زمینوں کے ساتھ لوگ گھر بنا لیتے ہیں۔ خاص وضع کے مکانات، اس سے متصل درخت اور کھیت۔ گویا ہر گھر کی اپنی الگ دنیا ہے۔ یہاں بستی مکانات کے مجموعہ کا نام نہیں ہوتی بلکہ دور دور بکھرے ہوئے مکانات کا نام ہوتی ہے۔ اس طریقے کے بہت سے فائدے ہیں۔ اس طرح آپس کے جھگڑے کے مواقع بہت کم ہو جاتے ہیں۔ شہری برائیاں پیدا نہیں ہوتیں۔ کھیت اور مکان ساتھ ساتھ ہونے کی وجہ سے کھیتی اور نگرانی بہت آسان ہو جاتی ہے۔ مزید یہ کہ قدرت کا ماحول باقی رہتا ہے، گھنی آبادی کی صورت میں پیدا ہونے والی مصنوعی کثافتیں پیدا نہیں ہوتیں۔ وغیرہ

اس علاقہ میں گھر بنانے کا طریقہ عام طور پر یہ ہے کہ دیواریں بنا کر اوپر لکڑی کا فریم بناتے ہیں اور اس کے اوپر مٹی بچھا دیتے ہیں۔ یہ ان کی چھت ہے۔ مٹی کی ان چھتوں کے لئے سب سے زیادہ نقصان کی چیز موتھا گھاس ہے۔ موتھا گھاس کی جڑیں بہت گہرائی تک اتر جاتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس چھت پر موتھا جم جائے وہ بارش میں ٹپکنے لگتا ہے۔ اس کا علاج یہاں کے لوگوں نے بتھوا کی شکل میں پایا ہے۔ بتھوا کی جڑیں اوپر اوپر رہتی ہیں۔ چھت کے اوپر کی مٹی میں بتھوا کے چند پودے لگا دیتے ہیں اور اس کے بعد موتھا گھاس دھیرے دھیرے ختم ہو جاتی ہے۔ ہر مسئلہ کا ایک قدرتی حل ہے اور بہترین طریقہ یہ ہے کہ کسی مسئلہ کے قدرتی حل کو بروئے کار آنے کا موقع دیا جائے۔

جموں و کشمیر ایک سرحدی ریاست ہے اس لئے یہاں فوجیں کثرت سے رکھی گئی ہیں۔ سفر کرنے والا دیکھتا ہے کہ حکومت نے زمین کے بڑے بڑے ٹکڑے فوجی مراکز قائم کرنے کی خاطر اپنے قبضہ میں لے لئے ہیں۔ اس کی وجہ سے یہاں کا زرعی رقبہ پہلے کے مقابلہ میں کم ہو گیا ہے۔ مگر اس نقصان نے ریاست کے لوگوں کے لئے ایک نیا عظیم تر

امکان کھول دیا ہے۔ فوجی ضرورت کے تحت سارے علاقہ میں کثرت سے سڑکیں بنائی گئی ہیں جن کا تقسیم سے پہلے یہاں کے لوگوں نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ سڑکوں کے اس جال نے تجارت کے زبردست مواقع کھول دئے ہیں۔ زرعی زمین کم ہو کر تجارتی زمین بڑھ گئی ہے۔ مگر مسلمان اکثریت میں ہونے کے باوجود، اس نئے امکان سے فائدہ اٹھانے میں سب سے پیچھے ہیں۔

اس علاقہ میں یہ بات عجیب نظر آئے گی کہ شہروں میں مسلمان غیر معمولی اقلیت میں ہیں۔ جب کہ ان شہروں کے ارد گرد پھیلے ہوئے دیہاتوں میں مسلمانوں کی غیر معمولی اکثریت ہے۔ اور اکثر زراعتی رقبے ان کے قبضہ میں ہیں۔ اس فرق کی وجہ مسلمانوں کا تعلیم اور تجارت میں پیچھے ہو جانا ہے۔ شہری علاقے تعلیم اور تجارت کے علاقے ہوتے ہیں اس لئے شہروں میں انھیں لوگوں کو جگہ ملتی ہے جو تعلیمی لیاقت اور تجارتی سرگرمیوں کا ثبوت دے سکیں۔ "زمینوں" کا مالک ہونے کے باوجود مسلمان جدید دنیا میں بے زمین ہو رہے ہیں۔

وادیٔ کشمیر میں سفر کرنے والے کو ہر طرف سیب اور دوسری چیزوں کے باغات نظر آتے ہیں۔ مگر جموں کے علاقہ میں زیادہ تر دھان اور مکئی کی فصلیں ہی دکھائی دیتی ہیں۔ جہاں تک راقم الحروف کا اندازہ ہے جموں کا علاقہ پھلوں کے باغات کے لئے کم موزوں نہیں۔ پھر اس فرق کی وجہ کیا ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ آزادی سے پہلے "کشمیر" کے حصہ میں انگریز آباد ہوئے اور انھوں نے باغات لگائے۔ اس سے اس علاقہ میں باغ کی روایت چل پڑی۔ اس کے برعکس "جموں" کے علاقہ میں یہ روایت قائم نہ ہو سکی۔ اس لئے یہ علاقہ قدیم طرز کی زراعت پر قائم رہا۔ اور باغات کے معاملہ میں پیچھے ہو گیا۔ جموں کا پورا علاقہ پہاڑی نباتات سے بھرا ہوا ہے اور یہاں شہد کی مکھی پالنے کا زبردست امکان موجود ہے۔ مگر اس امکان سے بھی اب تک برائے نام ہی فائدہ اٹھایا جا سکا ہے۔ حکومت کی طرف سے شہد کی مکھی اور اس کے بکس معمولی قیمت پر فراہم کئے جاتے ہیں۔ آدمی کو صرف اتنا کرنا ہے کہ وہ اس قسم کا ایک بکس حاصل کرے اور اس کو اپنے مکان کے پاس رکھ دے۔ بقیہ تمام کام مکھیاں خود اپنے نظام کے تحت انجام دیتی ہیں۔ یہ کام ہر گھر والا انجام دے سکتا ہے۔ مگر یہاں کے لوگ ابھی تک اس امکان سے بھی فائدہ نہ اٹھا سکے۔ یہی حال دوسری بہت سی صنعتوں کا بھی ہے جو یہاں بہت آسانی سے قائم کی جا سکتی ہیں۔

کشمیر کا مزدور سر کے بجائے پیٹھ پر سامان لادتا ہے۔ بسا اوقات وہ اپنے اوپر اتنا زیادہ سامان لاد لیتا ہے کہ دیکھنے والے کو اس کے اوپر چھوٹی موٹی گاڑی کا گمان ہونے لگتا ہے۔ حال اور مستقبل سے بے خبر یہ لوگ محنت کو اپنا کام سمجھتے ہیں اور باقی تمام امور کو حالات کے حوالے کئے ہوئے ہیں۔ تاہم خوش قسمت غیر مزدور طبقہ کا معاملہ بھی اس سے بہت زیادہ مختلف نہیں۔ مزدور اگر جاہلانہ بے خبری کا پشتارہ اپنے اوپر لادے ہوئے ہے تو غیر مزدور لوگ اپنی عالمانہ بے شعوری کا۔ دونوں اپنے خیال کے مطابق ایک ایسے حسین مستقبل کی طرف بڑھ رہے ہیں جو ان کے گمان کے مطابق خود بخود ان کی طرف آجائے گا، اگرچہ اس کے لئے انھوں نے وہ کوشش نہ کی جو دنیا کے پیدا کرنے والے نے اس دنیا کے لئے مقدر کی ہے۔

چند بزرگ آئے۔ سلام اور مصافحہ کے بعد میرا ہاتھ اپنے سر پر رکھا اور دعا کے لئے کہا۔ جب میں آگے بڑھا تو ان کی آواز میرے کان میں آئی: "عالم دا دیدار کرنا ستر سال دی عبادت کے برابر ہے"۔ اس سے اس علاقہ کے لوگوں کی سادگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ لوگوں کی اس سادگی اور بے خبری نے ان کو بعض سماجی فصلوں کے لئے نہایت زرخیز زمین بنا دیا ہے۔ جموں و کشمیر کی زمین میں ہندوستان کے بہترین پھل پیدا ہوتے ہیں، اسی کے ساتھ وہ چند دوسری چیزوں کی پیداوار کے لئے موزوں ترین ثابت ہوئی ہے۔ ان میں سے تین چیزیں خاص ہیں۔ مذہبی بدعات، موت اور شادی وغیرہ کے مواقع پر مسرفانہ رسوم، اور انتہائی بے فائدہ قسم کی جذباتی سیاست۔ یہ دوسری فصلیں اس جنت نظیر سرزمین میں اتنے بڑے پیمانہ پر اگی ہیں کہ ملک کی دوسری ریاستوں میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ اس قسم کے سماجی جھاڑ جھنکاڑ ہمیشہ جہالت کی زمین پر اُگتے ہیں اور ان کو ختم کرنے کی واحد کامیاب صورت یہ ہے کہ قوم کو تعلیم یافتہ بنا کر اس قسم کی تمام فصلوں کو ان کی زمین سے محروم کر دیا جائے۔

ایک بستی میں میری قیام گاہ کے اوپر ایک پہاڑی ٹیلہ تھا۔ میں نے سوچا کہ اس کے اوپر جا کر بیٹھوں۔ جب میں چڑھ کر وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ اس کے آگے ایک اور ٹیلہ ہے۔ اب میں نے پھر چڑھنا شروع کیا۔ جب دوسرے ٹیلہ پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ اس کے اوپر ایک اور ٹیلہ ہے۔ میں پھر چڑھا۔ مگر جب اوپر پہنچا تو معلوم ہوا کہ اس کے اوپر ایک اور اس سے اونچا ٹیلہ ہے۔ "انسان آخری بلندی پر پہنچنا چاہتا ہے مگر وہ آخری بلندی پر نہیں پہنچ سکتا"۔ میں نے سوچا اور وہیں ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد ایک آدمی آیا جو وہاں اپنے کھیتوں کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ اس نے کہا: آپ یہاں کیسے آئے۔ میں نے کہا کہ میں دہلی میں رہتا ہوں۔ دہلی کی کثافت اور ہنگامے مجھ کو اچھے نہیں لگتے۔ اس لئے میں یہاں آگیا تاکہ قدرت کی کھلی فضا میں سکون حاصل کروں"۔ اس نے سامنے پھیلی ہوئی سرسبز وادی پر ایک نظر ڈالی اور پھر بولا: "پیداوار اگر وقت وقت پر ہوتی رہے تو اس جیسی کوئی جگہ نہیں۔ یہاں نہ سخت گرمی ہوتی ہے اور نہ سخت سردی۔ بارہ مہینے موسم خوش گوار رہتا ہے۔ اس وقت جو سرسبزی آپ دیکھ رہے ہیں یہی یہاں سال بھر رہتی ہے"۔ —— یہاں کے لوگ اگر صرف کھیتی پر انحصار نہ کریں بلکہ اسی کے ساتھ باغبانی کریں اور تعلیم و تجارت میں بھی حصہ لیں تو ان کو حالات سے اس قسم کی شکایت نہ رہے۔

میدانی علاقوں میں نہروں کے ذریعہ آب پاشی ہوتی ہے۔ مگر پہاڑی علاقوں میں نہریں نکالنا اور نالیاں بنانا ممکن نہیں، کیوں کہ پانی کو نیچے سے اوپر کی طرف چڑھایا نہیں جا سکتا۔ اس مسئلہ کا حل قدرت نے پہاڑی علاقوں میں بارش کی زیادتی سے کیا ہے، قدرت حالات سے مطابقت کرکے مسئلہ کو حل کرتی ہے مگر ہمارے "لاؤڈ اسپیکر" صرف ایک ہی بات چیخنا جانتے ہیں: حالات سے لڑ کر اپنا مسئلہ حل کرو۔

ایک پہاڑ پر لمبی تھکا دینے والی چڑھائی چڑھنے کے بعد ہم ہموار میدان میں پہنچے تو اس پر چلنا ایسا معلوم ہوا جیسے آدمی چل ہی نہ رہا ہو۔ یہی معاملہ زندگی کی جدوجہد کا ہے۔ زندگی کی جدوجہد اپنی ابتدا میں ایک مشکل سفر ہے۔ لیکن سفر کی ابتدائی مشکلوں کو برداشت کر لیا جائے تو بعد کا سفر اسی طرح آسان ہو جاتا ہے جیسے مشکل چڑھائی کے

بعد ہموار میدان میں چلنا۔ مگر عام طور پر لوگ ابتدائی مشکلات سے گھبرا کر اپنا سفر چھوڑ دیتے ہیں۔ اس لئے "ہموار میدان" کبھی ان کے حصہ میں نہیں آتا۔

میں نے ایک کشمیری نوجوان منظور گلشن بی اے (پیدائش ۱۹۵۶) سے کہا کہ شر ایک منفی کارروائی ہے اور منفی کارروائی ہمیشہ کسی ردعمل کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے۔ اگر آپ ایسا عمل نہ کریں جو اپنا کوئی ردعمل پیدا کرنے والا ہو تو یقینی طور پر آپ دوسروں کے شر سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔" پھر میں نے گلشن صاحب سے پوچھا: "یہ بتائیے، کیا مسلمان اس نقطۂ نظر کو قبول کر سکتے ہیں۔" وہ فوراً بولے: "نہیں۔" میں نے پوچھا کیوں۔ انھوں نے کہا: اس لئے کہ مسلمان کا مزاج ڈکٹیٹرانہ ہوتا ہے اس لئے اس قسم کی باتیں اس کو اپیل نہیں کرتیں۔ کشمیری نوجوان نے جو بات اپنی سادگی میں کہہ دی وہی دراصل مسلمانوں کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ موجودہ زمانہ میں شاعر اور مقرر قسم کے لیڈروں نے مسلمانوں کا مزاج انتہائی حد تک بگاڑ دیا ہے۔ شاعر اور خطیب کو حقائق سے بحث نہیں ہوتی۔ وہ پرشور الفاظ اور ردیف و قافیہ کی تک بندیوں سے معرکے سر کرتا رہتا ہے۔ اس قسم کی تقریباً سو سالہ ذہنی تربیت نے مسلمانوں کو حد درجہ جذباتی بنا دیا ہے۔ خیالی احساس برتری کے سوا ان کے پاس کوئی اور سرمایہ نہیں۔ وہ کسی طرح حقائق کے ڈھانچہ میں اپنے کو دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ یہ مزاجی بگاڑ مسلمانوں کی تمام انفرادی اور اجتماعی ناکامیوں کا واحد سبب ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس مزاج کی اصلاح ہو سکتی ہے یا نہیں۔ مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ اس مزاج کی اصلاح کے بغیر آگے کا کوئی کام نہیں کیا جا سکتا۔ اس مزاج کی درستی کے بغیر جو اقدام بھی کیا جائے گا وہ صرف ملت کی بربادی میں اضافہ کا باعث ہوگا۔ قوم کی اسی بے شعوری کا یہ نتیجہ ہے کہ جو شخص بھی اسلام یا ملت اسلام کے نام پر کوئی شور و شر کرنے کے لئے اٹھتا ہے اس کو بہت سے ساتھ دینے والے مل جاتے ہیں۔ حالانکہ ہونا یہ چاہئے کہ بے معنی شور و شر کرنے والے اکیلے رہ جائیں اور قوم کے اندر صرف ان آوازوں کو تعاون ملے جو حقیقی تعمیر کی طرف پکارنے والی ہوں۔

میں سطح سمندر سے چھ ہزار فٹ کی بلندی پر گھاس کی قدرتی مخمل پر بیٹھا ہوں۔ ہر طرف آفاقی مناظر پھیلے ہوئے ہیں۔ سبزہ سے ڈھکی ہوئی پہاڑیاں، قدرتی چشموں کی موسیقی، فرحت بخش ہوا کے جھونکے، سورج کی سہانی کرنیں، نیلا آسمان اور اس میں سفید بادل کی گلکاریاں۔ چڑیوں کے چہچہانے کی آوازیں، تمدن کے ہنگاموں سے دور قدرت کی خاموش دنیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کائنات کا حسین چہرہ اپنے حسین تر خالق کا آئینہ بن گیا ہو۔ میری زبان سے بے اختیار نکلا: خدایا تو اس سے زیادہ ہے کہ میں اپنے لفظوں میں تجھ کو بیان کر سکوں۔ میں نے تیری حمد میں جو کچھ کہا وہ جھوٹ تھا، کیوں کہ میں نے تجھ کو بیان نہیں کیا بلکہ تجھ کو گھٹا دیا۔ میں نے تیری عبادت کی مگر میں نے تیری عبادت نہیں کی کیونکہ تو اس سے برتر ہے کہ کوئی تیری عبادت کا حق ادا کر سکے۔

یہاں کا آفاقی ماحول خدا کے جلال و جمال کو اس طرح نمایاں کر رہا تھا کہ اس کے مقابلہ میں اپنی ہر چیز حقیر اور بے قیمت نظر آئی۔ یہاں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے آدمی خدا کی آفاقی دنیا میں ہے۔ تمام منفی جذبات اور

سطحی داعیات خدا کی وسیع دنیا میں تحلیل ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ خود پرستی کائنات کی عظمتوں کے سامنے اپنا وجود کھوتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ اللہ کے سوا دوسری تمام عقیدتیں اور پرستاریاں ایسی ہو جاتی ہیں جیسے رب العالمین کی بارگاہ میں ان کو جگہ نہ مل رہی ہو۔ دنیا پرستی یہاں کی جنتی فضاؤں میں ایک ایسی حقیر چیز بن جاتی ہے جس پر آدمی خود شرم محسوس کرنے لگے۔

میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: جی چاہتا ہے کہ یہاں ایک تربیتی نظام قائم ہو جس میں لوگ دس دس، بیس بیس کی تعداد میں آکر شریک ہوں۔ یہاں کی آفاقی فضا ہی میں وہ تربیت گاہ بن سکتی ہے جس میں وہ انسان پیدا کرنے کی کوشش کی جائے جو خدا میں جیتے ہوں۔ جو انسانی پستیوں کے بجائے خدائی بلندیوں میں اپنے شعور کی غذا پا رہے ہوں۔ جو فانی دنیا کے بجائے خدا کی ابدی دنیا میں سانس لیتے ہوں —— کائنات میں غور و فکر آدمی کو خدا سے جوڑتا ہے۔ جب کہ احکام میں خوض سے صرف ذہنی موشگافیاں وجود میں آتی ہیں۔ ایک کے اندر معرفت خداوندی کی غذا ہے اور دوسرے کے اندر اختلاف و انتشار کا سامان۔ یہ ایک موزوں ترین مقام ہے جہاں خدا کے بندوں کو خدا پرستی کا درس دیا جا سکتا ہے۔ یہاں ہر طرف قدرتی چشمے ہیں جن سے سال بھر شفاف پانی ابلتا رہتا ہے۔ ایسے ماحول میں جب کوئی کہنے والا کہے کہ اللہ کا فیضان ہدایت ہر وقت برس رہا ہے، اس میں سے اپنا حصہ لو تو بہتے ہوئے چشمے اپنی دھیمی موسیقی کے ساتھ اس کی تائید کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ جب آپ کہیں کہ اللہ سب سے بڑا ہے اس کی بڑائی کو مان کر اس کے آگے جھک جاؤ تو پہاڑوں کی بلندیاں اپنی خاموش زبان میں بول پڑتی ہیں کہ کہنے والے نے سچ کہا۔ جب آپ کہیں کہ ایمان کو اس طرح اپناؤ کہ وہ تمھاری پوری ہستی کو تر و تازہ کرنے کے ہم معنی بن جائے تو چاروں طرف اُگے ہوئے سرسبز و شاداب درخت اس قول کی مجسم تفسیر بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جب آپ کہیں کہ اختلاف اور شکایت سے اوپر اٹھ کر رہو تو آسمان کی بلندیاں اپنے آفاقی پھیلاؤ کے ساتھ اس کی خاموش تصدیق بن جاتی ہے —— خدا سے قریب ہونے کی جگہ خدا کی کھلی ہوئی کائنات ہے مگر لوگ خدا کی قربت کو تنگ و تاریک حجروں میں تلاش کر رہے ہیں۔

مقابلہ کا ایک طریقہ یہ بھی ہے

نپولین (۱۷۶۹ - ۱۸۲۱) جب پہلی قید کے بعد جزیرہ البا (Elba) سے بھاگا تو اس کے ساتھ اس کے وفادار سپاہیوں کی صرف ایک مختصر جماعت تھی۔ اس معزول تاجدار کے عزائم یہ تھے کہ وہ فرانس کے تخت پر دوبارہ قبضہ کرے۔ مگر پہلے ہی معرکہ میں اس کو فرانس کے ۲۰ ہزار جوانوں کا سامنا کرنا پڑا۔

نپولین دنیا کے انتہائی بہادر جرنلوں میں سے ایک ہے۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا کہ اپنی فوجی کمی کا لحاظ نہ کرتے ہوئے حریف سے ٹکرا جائے۔ جب دونوں فریق آمنے سامنے ہوئے تو وہ اکیلا بالکل غیر مسلح حالت میں اپنی جماعت سے نکلا اور نہایت اطمینان کے ساتھ فریق مخالف کی صفوں کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اس نے اپنے کوٹ کے بٹن کھولے اور اپنے سینہ کو ننگا کر دیا۔ اس کے بعد جذباتی انداز میں اپنے مخالف سپاہیوں سے، جن میں سے اکثر اس کے ماتحت رہ چکے تھے، خطاب کر کے بولا:

"تم میں سے کون وہ سپاہی ہے جو اپنے باپ کے ننگے سینہ پر فائر کرنے کو تیار ہو"

اس کا اثر یہ ہوا کہ ہر طرف سے "کوئی نہیں، کوئی نہیں" کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ تمام سپاہی مخالف جماعت کو چھوڑ کر نپولین کے جھنڈے کے نیچے آگئے۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ نپولین اپنی بے سروسامانی کے باوجود فاتح ہوا۔ اس نے ملک فرانس کے تخت پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ حالاں کہ اس وقت وہ جس بے سروسامانی کی حالت میں تھا، اس کے ساتھ اگر وہ فرانس کی فوجوں سے لڑ جاتا تو میدان جنگ میں شاید اس کی لاش تڑپتی ہوئی نظر آتی۔

ایک واقعہ

ڈاکٹر محمد اقبال کے پاس ایک بزرگ وراثت کے معاملہ میں قانونی مشورہ کے لئے آیا کرتے تھے۔ چونکہ ڈاکٹر صاحب داڑھی نہیں رکھتے تھے، وہ اکثر داڑھی کی اہمیت پر وعظ کہتے۔ آخر ایک دن ڈاکٹر اقبال نے کہا: آپ کی وعظ و تلقین کا میرے اوپر بہت اثر ہوا ہے۔ اب میں نے طے کیا ہے کہ آپ سے ایک معاہدہ کروں۔ جس طرح داڑھی نہ رکھنا ایک شرعی کوتاہی ہے، اپنی بہن کو وراثت سے محروم کرنا بھی اسی طرح شریعت کی خلاف ورزی ہے۔ پہلے گناہ میں میں مبتلا ہوں تو دوسرے میں آپ مبتلا ہیں۔ آئیے طے کیجئے۔ آج سے میں داڑھی رکھ لیتا ہوں اور آپ اپنی بہن کا وراثتی حصہ دے دیں۔ بزرگ اس معاہدہ کے لئے تیار نہ ہوئے۔ انھوں نے نہ اپنی بہن کو وراثت کا حصہ دیا اور نہ ڈاکٹر اقبال کے چہرہ پر داڑھی اگ سکی۔

آدمی کو اپنی غلطیوں کا پتہ نہیں ہوتا۔ البتہ وہ دوسرے کی غلطیوں سے خوب باخبر ہوتا ہے۔ حالاں کہ آدمی کو جو چیز سب سے زیادہ جاننا چاہئے وہ خود اپنی غلطی ہے۔ کیوں کہ اپنی غلطیوں کا جاننا ہی آخرت میں کسی کے کام آئے گا نہ کہ دوسروں کی غلطیوں کو جاننا۔

برائیوں سے بچ کر نکل جانے کا نام تقویٰ ہے

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا "تقویٰ کیا ہے"۔ انھوں نے پوچھنے والے سے کہا: "کیا تم کبھی کانٹے دار راستے سے گزرے ہو"۔ اس نے کہا ہاں۔ انھوں نے پوچھا: تم نے کیا کیا۔ سائل نے کہا: جب میں نے کانٹے کو دیکھا تو میں کنارے ہوگیا اور اس سے بچ کر نکل گیا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ذاك التقوىٰ (یہی تقویٰ ہے)

اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کرنا اور بندوں کے لئے خیر خواہ ہونا

جریر رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے کے لئے آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے جریر: بیعت کے لئے ہاتھ بڑھاؤ۔ انھوں نے کہا کس چیز پر۔ آپ نے فرمایا:

ان تسلم وجهك لله والنصيحة لكل مسلم (طبرانی) اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کردو اور مسلمانوں کی خیر خواہی

انھوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ وہ بہت سمجھ دار آدمی تھے۔ بیعت کرنے لگے تو کہا: یارسول اللہ فیما استطعت (اے خدا کے رسول: جتنا مجھ سے ہو سکے گا) اس کے بعد سب کے لئے یہی رخصت ہوگئی۔

دنیا کی حرص آدمی کو ہلاک کر دیتی ہے

عمرو بن عوف انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو جزیہ لانے کے لئے بحرین بھیجا۔ وہ بحرین سے مال لے کر آئے۔ انصار نے سنا کہ ابوعبیدہ رضا آگئے تو وہ صبح کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو وہ سامنے آئے۔ آپ ان کو دیکھ کر مسکرائے۔ آپ نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ تم نے سن لیا کہ ابوعبیدہ بحرین سے کچھ لے کر آئے ہیں۔ انھوں نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا:

أبشروا واملوا ما يَسُرُّكم۔ فوالله ما الفقر اخشى عليكم ولكني اخشى ان تُبسط الدنيا عليكم كما بُسطت على من كان قبلكم فتنافسوها كما تنافسوها فتهلككم كما اهلكتهم (متفق علیہ)

بشارت ہو اور خوشی کی امید رکھو۔ خدا کی قسم میں تمھارے فقر کو نہیں ڈرتا لیکن مجھے ڈر ہے کہ تمھارے اوپر دنیا اسی طرح پھیلا دی جائے جس طرح تم سے اگلوں کے لئے پھیلائی گئی تھی۔ تو تم اس میں حرص کرو جس طرح انھوں نے حرص کی اور اس نے جس طرح ان کو ہلاک کیا تم کو بھی ہلاک کر دے۔

سب سے زیادہ عقل مند، سب سے زیادہ کمزور

حسن بن علی رضی اللہ عنہ جب امیر معاویہ رضا کے حق میں خلافت سے دست بردار ہوگئے تو کوفہ کی مسجد میں آپ نے ایک تقریر کی اس میں دست برداری کے اسباب بتاتے ہوئے فرمایا:

الا ان اكيس الكيس التقى واعجز العجز الفجور (الاستیعاب لابن عبد البر، جلد ا صفحہ ۳۷۴)

سن لو، سب سے زیادہ دانا وہ ہے جو متقی ہے اور سب سے زیادہ عاجز وہ ہے جو فاجر ہے۔

اقربا نوازی نہیں

ابن ابی شیبہ، احمد، ابن ابی الدنیا، ابن ابی حاتم اور ابن عساکر نے اسلم سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ عبداللہ بن ارقم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: اے امیرالمومنین! بیت المال میں جلولا کے آئے ہوئے کچھ زیور اور چاندی کے برتن ہیں۔ آپ ان کو دیکھ لیجئے اور ان کے سلسلہ میں ہم کو ہدایات دیجئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب مجھ کو فارغ دیکھنا تو مجھ کو بتانا۔ عبداللہ بن ارقم رضؓ ایک روز آئے اور کہا: آج میں آپ کو فارغ دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ پھر آپ بیت المال گئے اور زیوروں اور برتنوں کو نکلوایا۔ سامان نکال کر آپ کے سامنے رکھا گیا۔ آپ نے ان کو دیکھ کر سورہ آل عمران کی آیت ۱۴ پڑھی اور فرمایا:

انالا نستطیع الا ان نفرح بما زینت لنا، اللھم! فاجعلنا ننفقہ فی حق واعوذبک من شرہ

یہ چیز جو ہمارے لئے مزین کی گئی ہے، ہمارے بس میں نہیں کہ ہم ان کو دیکھ کر خوش نہ ہوں۔ خدایا! تو ہم کو ایسا بنادے کہ ہم اس کو حق میں خرچ کریں اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس کے شر سے۔

راوی کہتے ہیں کہ اسی دوران میں عمر رضی اللہ عنہ کا ایک بچہ آگیا جس کو عبدالرحمن بن بہیہ کہا جاتا تھا۔ بچہ نے کہا میرے باپ! ایک انگوٹھی مجھ کو دے دیجئے۔ آپ نے فرمایا:

اذھب الی امک تسقیک سویقا (اپنی ماں کے پاس جاؤ، وہ تم کو ستو پلائے گی) راوی کہتے ہیں: پس خدا کی قسم انھوں نے بچہ کو کچھ نہیں دیا۔

دوسروں سے پہلے اپنی فکر کرو

قاسم کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مجھے نصیحت کیجئے۔ آپ نے فرمایا: تو اپنے گھر میں رہ۔ اپنی زبان کو روک لے اور اپنی غلطیوں کو یاد کرکے رویا کر۔ (لیسعک بیتک واکفف لسانک وابک ذکر خطیئتک، حلیۃ الاولیا، جلد ا صفحہ ۱۳۵)

حیثیت سے کوئی فائدہ نہ اٹھانا

مالک بن اوس بن حدثان بتاتے ہیں کہ شاہ روم کا قاصد عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی نے ایک دینار قرض لیا۔ اس سے عطر خریدا اور اس کو شیشہ کے برتنوں میں رکھا اور قاصد کے ذریعہ اس کو شاہ روم کی بیوی کے پاس بھیجا۔ قاصد یہ تحفہ لے کر ملکۂ روم کے پاس پہنچا تو اس نے ان برتنوں کو خالی کیا اور ان کو جواہرات سے بھر کر قاصد سے کہا: ان کو عمر بن خطابؓ کی بیوی کے پاس لے جاؤ۔ جب آپ کی بیوی کے پاس وہ برتن آئے تو انھوں نے جواہرات کو نکال کر بستر پر رکھا۔ عمر رضی اللہ عنہ گھر میں آئے تو انھوں نے پوچھا یہ کیا ہے۔ بیوی نے آپ کو واقعہ کی خبر دی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے وہ جواہرات لئے اور ان کو بیچا۔ ان میں سے ایک دینار اپنی بیوی کو دیا اور باقی کو بیت المال میں جمع کر دیا۔ (اخرجہ الدینوری فی المجالسہ)

He was able to escape only after a loud voice boomed, "Come out!" He instantly "found himself back in his hospital bed, being shocked back to life."

One patient was so shaken by his experience that he quit his job to join the ministry.

Such incredible experiences are more frequent than is generally believed, according to Dr. Rawlings, who maintais that they are often not reported because people are too embarrassed to admit them.

Dr. Rawlings added that their doctors are embarrassed "to make inquiries into such spiritual matters." Instead, we hear mostly of heavenly life-after-death experiences.

"But nobody can afford to ignore the reports of these patients," he cautioned.

"I'm convinced that there is a hell and that we must conduct ourselves in such a way as to avoid being sent there at all costs."

The above article appeared in *National Enquirer*, published weekly by National Enquirer, Inc., Lantana, FLA 33464.

MONTHLY NUR,

BERKELEY,

USA,

January—February 1979

موت کے اس پار

موریس رالنگز جو ایک بڑے امریکی ڈاکٹر ہیں، انھوں نے اپنے تجربات کی بنیاد پر اعلان کیا ہے کہ موت کے دروازے کے دوسری طرف جنت اور جہنم ہیں۔ ہم کو چاہئے کہ ہر قیمت پر اپنے کو جہنم سے بچانے کی کوشش کریں۔ ڈاکٹر موریس رالنگز نے یہ رائے ان تین سالہ تجربات کی بنا پر قائم کی ہے جو ان کو مریضوں کے آپریشن کے سلسلے میں ہوئے ہیں۔ ان کے تجربہ میں تقریباً ایک سو ایسے مریض آئے جن کے دل کی حرکت آپریشن کے دوران بند ہو گئی۔ تاہم چند منٹ کے بعد دوبارہ ان کا دل حرکت میں آگیا — ایسے لوگ گویا موت کے بعد کی دنیا میں داخل ہو کر دوبارہ موجودہ دنیا میں واپس آگئے۔ ان مریضوں میں سے ۵۰ فی صد نے بتایا کہ وہ ایک بے حد اندھیرے مقام پر پہنچے۔ وہاں ناقابل برداشت تکلیف تھی۔ بہت سے لوگ چیخ رہے تھے کہ مجھے بچاؤ، مجھے بچاؤ۔ ان مریضوں کو "موت کے بعد" جو تجربات ہوئے ان میں ہر ایک نے اپنے کو ایک ایسی تاریک سرنگ سے گزرتے ہوئے دیکھا جو بالآخر ایک بہت بڑے عذاب خانہ پر ختم ہوتی تھی۔ مگر وہاں کسی نے ان سے کہا کہ "واپس جاؤ" اور وہ فوراً اپنے جسموں میں لوٹ آئے۔ ڈاکٹر رالنگز کے مریضوں میں ایک شخص اپنے اس تجربہ سے اتنا دہشت زدہ ہوا کہ اس نے اپنی ملازمت چھوڑ دی اور پادری بن گیا۔ ڈاکٹر رالنگز کا کہنا ہے کہ ایسے واقعات بہت عام ہیں۔ مگر ڈاکٹر لوگ اس کو "روحانی معاملہ" کہہ کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ڈاکٹر رالنگز نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے: موت کے دروازہ کے اس پار (Beyond Death's Door)

As Many Go to Hell as Heaven

"I'm thoroughly convinced that there is life after death — and that there are at least as many going to hell as to heaven!" declared Dr. Maurice Rawlings, a top cardiologist who has talked to patients who have "died" and been resuscitated.

Dr. Rawlings — a fellow of the American College of Cardiology, and a clinical associate professor of medicine at the University of Tennessee at Chattanooga — told that until he began collecting accounts three years ago he could find no support for the Biblical accounts of heaven or hell.

But the incredible expreiences and too vivid accounts of about 100 patients whose hearts had stopped dramatically changed all that and led Dr. Rawlings to write the soon-to-be-published book, "Beyond Death's Door."

"About 50 percent of the revived persons told of having gone to a place of great darkness, filled with grotesque moaning and writhing bodies, crying out to be rescued from this place with an overwhelming feeling of eerie and nightmarish terror," he said.

"Patients also described things that had gone on in the emergency room during the time they were dead — able to give precise information as to what had been said and done while they were gone!"

Typical of the chilling reports of the afterlife was the grim recollection of a man who was "clinically dead of a heart attack for four or five minutes."

"I was at his side when he revived," Dr. Rawlings recalled, "and he immediately began telling me of his visit to hell. He said he felt as if his body was falling down a shaft until he emerged into an enormous cave. He saw a lake of fire and brimstone. All around him, he said, were the bony bodies of people moaning helplessly."

It wasn't until the patient was able to momentarily draw the attention of a robed, Christ-like figure that he was able to escape. "He told me, 'The next thing I knew, I was back in my body,' " Dr. Rawlings said.

Another man reportedly had three life-after-death experiences. "The first time he 'died' he found himself in hell," Dr. Rawlings remembered. Summoned out of the hospital emergency room by a giant and several imp-like figures," the patient said he "descended through a tunnel-like passageway which eventually emptied into a cavern, piled high with glowing-hot rocks." He told Dr. Rawlings that he experienced "unbearable heat and felt oozing, slimy, writhing creatures slithering all over his feet."

تذکیر القرآن

اور جو لوگ علم نہیں رکھتے، انھوں نے کہا: اللہ کیوں نہیں کلام کرتا ہم سے یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی۔ اسی طرح ان کے اگلے بھی انھیں کی سی بات کہہ چکے ہیں، ان سب کے دل ایک جیسے ہیں، ہم نے پیش کر دی ہیں نشانیاں ان لوگوں کے لئے جو یقین کرنے والے ہیں۔ ہم نے تم کو ٹھیک بات لے کر بھیجا ہے، خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر۔ اور تم سے دوزخ میں جانے والوں کی بابت کوئی پوچھ نہیں ہوگی۔ اور یہود اور نصاریٰ ہرگز تم سے راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کی ملت کے پیرو نہ بن جاؤ۔ تم کہو کہ جو راہ اللہ دکھاتا ہے وہی اصل راہ ہے۔ اور اگر بعد اس علم کے جو تم کو پہنچ چکا ہے تم نے ان کی خواہشوں کی پیروی کی تو اللہ کے مقابلہ میں نہ تمھارا کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی مددگار۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پڑھتے ہیں جیسا کہ حق ہے پڑھنے کا۔ یہی لوگ ایمان لاتے ہیں اس پر۔ اور جو اس کا انکار کرے تو وہی گھاٹے میں رہنے والے ہیں ۱۲۱ — ۱۱۸

اللہ کے وہ بندے جو اللہ کی طرف سے اس کے دین کا اعلان کرنے کے لئے آئے، ان کو ہر زمانہ میں ایک ہی قسم کے ردعمل سے سابقہ پیش آیا۔ "اگر تم خدا کے نمائندے ہو تو تمھارے ساتھ دنیا کے خزانے کیوں نہیں" یہ شبہ ان لوگوں کو ہوتا جو اپنے دنیا پرستانہ مزاج کی وجہ سے مادی بڑائی کو بڑائی سمجھتے تھے، اس لئے وہ خدا کی نمائندگی کرنے والے میں بھی یہی بڑائی دیکھنا چاہتے تھے۔ جب داعیٔ حق کی زندگی میں ان کو اس قسم کی بڑائی دکھائی نہ دیتی تو وہ اس کا انکار کر دیتے۔ ان کی سمجھ میں نہ آتا کہ ایک "معمولی آدمی" کیوں کر وہ شخص ہو سکتا ہے جس کو زمین و آسمان کے مالک نے اپنے پیغام رسانی کے لئے چنا ہو۔ اللہ کے ان بندوں کی زندگی اور ان کے کلام میں اللہ اپنی نشانیوں کی صورت میں شامل ہوتا، بالفاظ دیگر معنوی بڑائیاں پوری طرح ان کے ساتھ ہوتیں۔ مگر اس قسم کی چیزیں لوگوں کو نظر نہ آتیں، اس لئے وہ ان کو "بڑا" ماننے کے لئے بھی تیار نہ ہوتے۔ دلیل اپنی کامل صورت میں موجود ہو کر بھی ان کے ذہن کا جزء نہ بنتی، کیوں کہ وہ ان کے مزاجی ڈھانچہ کے مطابق نہ ہوتی۔

یہود و نصاریٰ قدیم زمانہ میں آسمانی مذہب کے نمائندے تھے مگر زوال کا شکار ہونے کے بعد دین ان کے لئے ایک گروہی طریقہ ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ اپنے گروہ سے وابستہ رہنے کو دین سمجھتے اور گروہ سے الگ ہو جانے کو بے دینی۔ ان کے گروہ میں شامل ہونا یا نہ ہونا ہی ان کے نزدیک حق اور ناحق کا معیار بن گیا تھا۔ دین جب اپنی بے آمیز صورت میں ان کے سامنے آیا تو ان کا گروہی دین داری کا مزاج اس کو قبول نہ کر سکا۔ حقیقت یہ ہے کہ بے آمیز دین کو وہی اختیار کرے گا جس نے اپنی فطرت کو زندہ رکھا ہے۔ جن کی فطرت کی روشنی بجھ چکی ہے ان سے کسی قسم کی کوئی امید نہیں۔ دین کو ایسے لوگوں کے لئے قابل قبول بنانے کی خاطر دین کو بدلا نہیں جا سکتا۔

اے بنی اسرائیل میرے اس احسان کو یاد کرو جو میں نے تمھارے اوپر کیا اور اس بات کو کہ میں نے تم کو تمام اقوام عالم پر فضیلت دی۔ اور اس دن سے ڈرو جس میں کوئی شخص کسی شخص کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ کسی کی طرف سے کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ کسی کو کوئی سفارش فائدہ دے گی اور نہ کہیں سے ان کو کوئی مدد پہنچے گی۔ اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے کئی باتوں میں آزمایا تو اس نے پورا کر دکھایا۔ اللہ نے کہا میں تم کو سب لوگوں کا امام بناؤں گا۔ ابراہیم نے کہا: اور میری اولاد میں سے بھی۔ اللہ نے کہا: میرا عہد ظالموں تک نہیں پہنچتا ۱۲۲ — ۱۲۴

بنی اسرائیل کو اس کارِ خاص کے لئے چنا گیا تھا کہ وہ اقوام عالم کو اللہ کی طرف بلائیں اور ان کو اس حقیقت سے آگاہ کریں کہ ان کے اعمال کے بارے میں ان کا مالک ان سے سوال کرنے والا ہے۔ اس کام کی رہنمائی کے لئے ان کے درمیان مسلسل پیغمبر آتے رہے۔ حضرت ابراہیم، یعقوب، یوسف، موسیٰ، داؤد، سلیمان، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ علیہم السلام وغیرہ۔ مگر بعد کے زمانہ میں جب بنی اسرائیل پر زوال آیا تو انھوں نے اس منصبی فضیلت کو نسلی اور گروہی فضیلت کے معنی میں لے لیا۔ اور اس طرح اس کی بابت اپنے استحقاق کو کھو دیا۔ اسماعیلی خاندان میں نبی عربی کا آنا دراصل بنی اسرائیل کی مقام فضیلت سے معزولی اور اس کی جگہ بنی اسماعیل کے تقرر کا اعلان تھا۔ بنی اسرائیل میں جو لوگ فی الواقع خدا پرست تھے ان کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ نبی عربی جو کلام پیش کر رہے ہیں وہ خدا کی طرف سے آیا ہوا کلام ہے۔ مگر جو لوگ گروہی تعصبات کو دین بنائے ہوئے تھے ان کے لئے اپنے سے باہر کسی فضیلت کا اعتراف کرنا ممکن نہ ہو سکا۔

پیغمبر عربی کے ذریعہ ان کو تنبیہ کیا گیا کہ یاد رکھو آخرت میں حقیقی ایمان اور سچے عمل کے سوا کسی بھی چیز کی کوئی قیمت نہ ہوگی۔ دنیا میں ایک شخص دوسرے شخص کا بار اپنے سر لے لیتا ہے۔ کسی معاملہ میں کسی کی سفارش کام آجاتی ہے۔ کبھی معاوضہ دے کر آدمی چھوٹ جاتا ہے۔ کبھی کوئی مددگار مل جاتا ہے جو پشت پناہی کر کے بچا لیتا ہے۔ مگر آخرت میں اس قسم کی کوئی چیز کسی کے کام آنے والی نہیں۔ آخرت کسی گروہ کی نسلی وراثت نہیں، وہ اللہ کے بے لاگ انصاف کا دن ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کو جو درجۂ فضیلت ملا اس کا فیصلہ اس وقت کیا گیا جب وہ کڑی جانچ میں خدا کے سچے فرماں بردار ثابت ہوئے۔ اللہ کی یہی سنت ان کی نسل کے کے بارے میں بھی ہے کہ جو عمل میں پورا اترے گا وہ اس وعدۂ الٰہی میں شریک ہوگا۔ اور جو عمل کے ترازو پر اپنے کو سچا ثابت نہ کر سکے اس کا وہی انجام ہوگا جو اس قسم کے دوسرے مجرمین کے لئے اللہ کے یہاں مقدر ہے ــــــ حضرت ابراہیمؑ کو نہایت کڑی آزمائشوں کے بعد پیشوائی کا مقام دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ امامت و قیادت کے منصب کا استحقاق قربانیوں کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ قربانی کی قیمت پر کسی مقصد کو اختیار کرنے والا اس مقصد کی راہ میں سب سے آگے ہوتا ہے۔ اس لئے قدرتی طور پر وہی اس کا قائد بنتا ہے۔

اور جب ہم نے کعبہ کو لوگوں کے اجتماع کی جگہ اور امن کا مقام ٹھیرایا۔ اور حکم دیا کہ مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو۔ اور ابراہیم اور اسماعیل کو تاکید کی کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک رکھو۔ اور جب ابراہیم نے کہا کہ اے میرے رب اس شہر کو امن کا شہر بنادے اور اس کے باشندوں کو، جو ان میں سے اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھیں، پھلوں کی روزی عطا فرما۔ اللہ نے کہا جو انکار کرے گا میں اس کو بھی تھوڑے دنوں فائدہ دوں گا۔ پھر اس کو آگ کے عذاب کی طرف دھکیل دوں گا اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے ۱۲۶ — ۱۲۵

ساری دنیا کے اہل ایمان ہر سال اپنے وطن کو چھوڑ کر بیت اللہ آتے ہیں۔ یہاں کسی کے لئے کسی ذی حیات پر زیادتی کرنا جائز نہیں۔ حرم کعبہ کو دائمی طور پر عبادت کی جگہ بنا دیا گیا ہے۔ اس مقام کو ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک رکھا جاتا ہے۔ کعبہ کا طواف کیا جاتا ہے۔ دنیا سے الگ ہو کر اللہ کی یاد کی جاتی ہے اور اللہ کے لئے رکوع و سجود کیا جاتا ہے۔ قدیم زمانہ میں یہ دنیا کا سب سے زیادہ خشک علاقہ تھا جہاں ریتلی زمینوں اور پتھریلی چٹانوں کی وجہ سے کوئی فصل پیدا نہیں ہوتی تھی۔ مزید یہ کہ وہ انتہائی طور پر غیر محفوظ تھا۔ چار ہزار برس پہلے حضرت ابراہیمؑ کو حکم ہوا کہ اپنے خاندان کو اس علاقہ میں لے جاؤ اور اس کو وہاں بسا دو۔ حضرت ابراہیمؑ نے ادنیٰ تامل کے بغیر اس کی تعمیل کی۔ اور جب خاندان کو اس بے آب و گیاہ مقام پر پہنچا چکے تو دعا کی کہ خدایا میں نے تیرے حکم کی تعمیل کر دی۔ اب تو اپنے بندے کی پکار کو سن لے اور اس بستی کو امن و امان کی بستی بنا دے۔ اور اس خشک زمین پر ان کے لئے خصوصی رزق کا انتظام فرما۔ دعا قبول ہوئی اور اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ یہ علاقہ آج تک امن اور رزق کی کثرت کا نمونہ بنا ہوا ہے۔

مومن کو دنیا میں اس طرح رہنا ہے کہ وہ بار بار یاد کرتا رہے کہ خواہ وہ دنیا کے کسی گوشہ میں ہو اس کو بہر حال ایک روز لوٹ کر خدا کے یہاں جانا ہے۔ وہ جن انسانوں کے درمیان رہے، بے ضرر بن کر رہے۔ وہ زمین کو خدا کی عبادت کی جگہ سمجھے اور اس کو اپنی کثافتوں سے پاک رکھے۔ اس کی پوری زندگی خدا کے گرد گھومتی ہو۔ وہ بظاہر دنیا میں رہے مگر اس کا دل اپنے رب میں اٹکا ہوا ہو۔ وہ ہمہ تن اللہ کے آگے جھک جائے۔ پھر یہ کہ دین جس چیز کا تقاضا کرے، خواہ وہ ایک "چٹیل میدان" میں بیوی بچوں کو لے جا کر ڈال دینا ہو، بندہ پوری وفاداری کے ساتھ اس کے لئے راضی ہو جائے۔ اور جب تعمیل حکم کر چکے تو خدا سے مدد کی درخواست کرے۔ عجب نہیں کہ خدا اپنے بندے کی خاطر چٹیل بیابان میں رزق کے چشمے جاری کر دے۔

دنیا کی رونق، خواہ کسی کو دین کے نام پر ملے، اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ اللہ نے اس کو امامت و پیشوائی کے منصب کے لئے قبول کر لیا ہے۔ دنیا کی چیزیں صرف آزمائش کے لئے ہیں جو سب کو ملتی ہیں۔ جبکہ امامت یہ ہے کہ کسی بندے کو قوموں کے درمیان خدا کی نمائندگی کے لئے منتخب کر لیا جائے۔

اور جب ابراہیم اور اسماعیل بیت اللہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے: اے ہمارے رب! قبول کر ہم سے، یقیناً تو ہی سننے والا جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب ہم کو اپنا فرماں بردار بنا اور ہماری نسل میں سے اپنی ایک فرماں بردار امت اٹھا اور ہم کو ہمارے عبادت کے طریقے بتا اور ہم کو معاف فرما، تو معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔ اے ہمارے رب اور ان میں ان ہی میں کا ایک رسول اٹھا جو ان کو تیری آیتیں سنائے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔ بے شک تو زبردست ہے حکمت والا ہے ۱۲۹ — ۱۲۷

اللہ کا یہ فیصلہ تھا کہ وہ حجاز کو اسلام کی دعوت کا عالمی مرکز بنائے۔ اس مرکز کے قیام اور انتظام کے لئے حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد کا انتخاب ہوا۔ بیت اللہ کی تعمیر کے وقت حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی زبان سے جو کلمات نکل رہے تھے وہ ایک اعتبار سے دعا تھے اور دوسرے اعتبار سے وہ دو روحوں کا اپنے آپ کو اللہ کے منصوبے میں دے دینے کا اعلان تھا۔ ایسی دعا خود مطلوب الٰہی ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ پوری طرح قبول ہوئی۔ عرب کے خشک بیابان سے اسلام کا ابدی چشمہ پھوٹ نکلا۔ بنی اسماعیل کے دل اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر اپنے دین کی خدمت کے لئے نرم کر دیئے۔ ان کے اندر سے ایک طاقت ور اسلامی دعوت برپا ہوئی۔ ان کے ذریعہ سے اللہ نے اپنے بندوں کو وہ طریقے بتائے جن سے وہ خوش ہوتا ہے اور اپنی رحمت کے ساتھ ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ پھر انھیں کے اندر سے اس آخری رسول کی بعثت ہوئی جس نے تاریخ میں پہلی بار یہ کیا کہ کارِ نبوت کو ایک مکمل تاریخی نمونہ کی صورت میں قائم کر دیا۔

نبی کا پہلا کام تلاوتِ آیات ہے۔ آیت کے معنی نشانی کے ہیں یعنی وہ چیز جو کسی چیز کے اوپر دلیل بنے۔ انسان کی فطرت میں اور باہر کی دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کی بے شمار نشانیاں رکھ دی ہیں۔ یہ اشارات کی صورت میں ہیں۔ پیغمبر ان اشارات کو کھولتا ہے۔ وہ آدمی کو وہ نگاہ دیتا ہے جس سے وہ ہر چیز میں اپنے رب کا جلوہ دیکھنے لگے۔ کتاب سے مراد قرآن ہے۔ نبی کا دوسرا کام یہ ہے کہ وہ اللہ کی وحی کا مہبط بنتا ہے اور اس کو خدا سے لے کر انسان تک پہنچاتا ہے۔ حکمت کا مطلب ہے بصیرت۔ جب آدمی خدا کی نشانیوں کو دیکھنے کی نظر پیدا کر لیتا ہے، جب وہ اپنے ذہن کو قرآن کی تعلیمات میں ڈھال لیتا ہے تو اس کے اندر ایک فکری روشنی جل اٹھتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو حقیقتِ اعلیٰ کے ہم شعور بنا لیتا ہے۔ وہ ہر معاملہ میں اس صحیح فیصلہ تک پہنچ جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے۔ تزکیہ کا مطلب ہے کسی چیز کو غیر موافق عناصر سے پاک کر دینا تاکہ وہ موافق فضا میں اپنے فطری کمال کو پہنچ سکے۔ نبی کی آخری کوشش یہ ہوتی ہے کہ ایسے انسان تیار ہوں جن کے سینے اللہ کی عقیدت کے سوا ہر عقیدت سے خالی ہوں۔ ایسی روحیں وجود میں آئیں جو نفسیاتی پیچیدگیوں سے آزاد ہوں، ایسے افراد پیدا ہوں جو کائنات سے وہ ربانی رزق پا سکیں جو اللہ نے اپنے مومن بندوں کے لئے رکھ دیا ہے۔

اور کون ہے جو ابراہیم کے دین کو پسند نہ کرے مگر وہ جس نے اپنے آپ کو احمق بنا لیا ہو۔ حالاں کہ ہم نے اس کو دنیا میں چن لیا تھا اور آخرت میں وہ صالحین میں سے ہوگا۔ جب اس کے رب نے کہا کہ اپنے آپ کو حوالے کر دو تو اس نے کہا: میں نے اپنے آپ کو رب العالمین کے حوالے کیا اور اسی کی نصیحت کی ابراہیم نے اپنی اولاد کو اور اسی کی نصیحت کی یعقوب نے اپنی اولاد کو۔ اے میرے بیٹو! اللہ نے تمھارے لئے اسی دین کو چن لیا ہے۔ پس اسلام کے سوا کسی اور حالت پر تم کو موت نہ آئے۔ کیا تم موجود تھے جب یعقوب کی موت کا وقت آیا۔ جب اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے۔ انھوں نے کہا: ہم اسی خدا کی عبادت کریں گے جس کی عبادت آپ اور آپ کے بزرگ ابراہیم، اسماعیل، اسحاق کرتے آئے ہیں، وہی ایک معبود ہے اور ہم اس کے فرماں بردار ہیں۔ یہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی۔ اس کو ملے گا جو اس نے کمایا اور تم کو ملے گا جو تم نے کمایا۔ اور تم سے ان کے کئے ہوئے کی پوچھ نہ ہوگی ۱۳۰ - ۱۳۴

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت عین وہی تھی جو حضرت ابراہیمؑ کی دعوت تھی۔ مگر یہود، جو حضرت ابراہیمؑ کا پیرو ہونے پر فخر کرتے تھے، آپؐ کی دعوت کے سب سے بڑے مخالف بن گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ پیغمبر عربیؐ جس دین ابراہیمی کی طرف لوگوں کو بلاتے تھے وہ "اسلام" تھا۔ یعنی اللہ کے لئے کامل حوالگی و سپردگی۔ قرآن کے مطابق یہی حضرت ابراہیمؑ کا دین تھا اور اپنی اولاد کو انھوں نے اسی کی وصیت کی۔ اس کے برعکس یہود نے حضرت ابراہیمؑ کی طرف جو دین منسوب کر رکھا تھا اس میں حوالگی وسپردگی کا کوئی سوال نہ تھا۔ اس میں آزادانہ زندگی گزارتے ہوئے محض سستے تخیلات کے تحت جنت کی ضمانت حاصل ہو جاتی تھی۔ پیغمبر عربیؐ کے لائے ہوئے دین میں نجات کا دار و مدار تمام تر عمل پر تھا، جب کہ یہود نے "اللہ کے مقبول بندوں" کی جماعت سے وابستگی اور عقیدت کو نجات کے لئے کافی سمجھ لیا تھا۔ اول الذکر کے نزدیک دین آسمانی ہدایات کا نام تھا اور ثانی الذکر کے نزدیک محض ایک گروہی مجموعہ کا جو نسلی روایات اور قومی تخیلات کے تحت ایک خاص صورت میں بن گیا تھا۔

ماضی یا حال کے بزرگوں سے اپنے کو منسوب کر کے یہ اطمینان حاصل ہوتا ہے کہ ہمارا انجام بھی انھیں کے ساتھ ہوگا۔ ہمارے عمل کی کمی ان کے عمل کی زیادتی سے پوری ہو جائے گی۔ یہود اس خوش فہمی کو یہاں تک لے گئے کہ انھوں نے "نجات متوارث" کا عقیدہ وضع کر لیا۔ انھوں نے اپنی تمام امیدیں اپنے بزرگوں کے تقدس پر قائم کر لیں۔ مگر یہ نفسیاتی فریب کے سوا اور کچھ نہیں۔ ہر ایک کے آگے وہی آئے گا جو اس نے کیا۔ ایک سے نہ دوسرے کے جرائم کی پوچھ ہوگی اور نہ ایک کو دوسرے کی نیکیوں میں سے حصہ ملے گا۔ ہر ایک اپنے کئے کے مطابق اللہ کے یہاں بدلہ پائے گا۔ "تم نہ مرنا مگر اسلام پر"، یعنی اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کرنے میں رکاوٹیں آئیں گی۔ تمھاری تمناؤں کی عمارت گرے گی۔ پھر بھی تم آخر وقت تک اس پر قائم رہنا۔

اور کہتے ہیں کہ یہودی یا نصرانی بن جاؤ تو ہدایت پاؤ گے۔ کہو کہ نہیں، بلکہ ہم تو پیروی کرتے ہیں ابراہیم کے دین کی جو اللہ کی طرف یکسو تھا اور وہ شریک کرنے والوں میں نہ تھا۔ کہو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس چیز پر ایمان لائے جو ہماری طرف اتاری گئی ہے اور اس پر بھی جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد پر اتاری گئی اور جو ملا موسیٰ اور عیسیٰ کو اور جو ملا سب نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے۔ ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ ہی کے فرماں بردار ہیں۔ پھر اگر وہ ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو بے شک وہ راہ پا گئے اور اگر وہ پھر جائیں تو اب وہ ضد پر ہیں۔ پس تمہاری طرف سے اللہ ان کے لئے کافی ہے اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ کہو ہم نے لیا اللہ کا رنگ اور اللہ کے رنگ سے کس کا رنگ اچھا ہے اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔ کہو کیا تم اللہ کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو حالاں کہ وہ ہمارا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں اور ہم خالص اس کے لئے ہیں۔ کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد سب یہودی یا نصرانی تھے۔ کہو کہ تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ۔ اور اس سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جو اس گواہی کو چھپائے جو اللہ کی طرف سے اس کے پاس آئی ہوئی ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں۔ یہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی۔ اس کو ملے گا جو اس نے کمایا اور تم کو ملے گا جو تم نے کمایا۔ اور تم سے ان کے کئے ہوئے کی پوچھ نہ ہوگی ۱۴۱ — ۱۳۵

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس دین کی طرف بلاتے تھے وہ وہی ابراہیمی دین تھا جس سے یہود و نصاریٰ اپنے کو منسوب کئے ہوئے تھے۔ پھر وہ آپ کے مخالف کیوں ہوگئے۔ وجہ یہ تھی کہ پیغمبر عربی کی دعوت کے مطابق دین یہ تھا کہ آدمی اپنی زندگی کو اللہ کے رنگ میں رنگ لے، وہ ہر طرف سے یکسو ہو کر اللہ والا بن جائے۔ اس کے برعکس یہود کے یہاں دین بس ایک قومی فخر کے نشان کے طور پر باقی رہ گیا تھا۔ پیغمبر عربی ؐ کی دعوت سے ان کی پُر فخر نفسیات پر زد پڑتی تھی، اس لئے وہ آپ کے دشمن بن گئے۔

جو لوگ گروہی فضیلت کی نفسیات میں مبتلا ہوں وہ اپنے سے باہر کسی صداقت کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ وہ اپنے گروہ کے پیغمبرانِ خدا کو تو مانیں گے مگر اسی خدا کا ایک پیغمبر اُن کے گروہ سے باہر آئے تو وہ اس کا انکار کر دیں گے۔ دین کے نام پر وہ جس چیز سے واقف ہیں وہ صرف گروہ پرستی ہے۔ اس لئے وہی شخصیتیں ان کو شخصیتیں نظر آتی ہیں جو ان کے اپنے گروہ سے تعلق رکھتی ہوں۔ مگر جس شخص کے لئے دین خدا پرستی کا نام ہو وہ خدا کی طرف سے آنے والی ہر آواز کو پہچان لے گا اور اس پر لبیک کہے گا۔ یہود کے علماء کے لئے یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ پیغمبر عربی ؐ اللہ کے آخری رسول ہیں اور ان کی دعوت سچی خدا پرستی کی دعوت ہے۔ مگر اپنی بڑائی کو قائم رکھنے کی خاطر انھوں نے لوگوں کے سامنے ایک ایسی حقیقت کا اعلان نہیں کیا جس کا اعلان کرنا ان کے اوپر خدا کی طرف سے فرض کیا گیا تھا۔

اب بے وقوف لوگ کہیں گے کہ مسلمانوں کو کس چیز نے ان کے قبلہ سے پھیر دیا۔ کہو کہ مشرق اور مغرب اللہ ہی کے ہیں۔ وہ جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ اور اس طرح ہم نے تم کو بیچ کی امت بنا دیا تاکہ تم ہو بتانے والے لوگوں پر اور رسول ہو تم پر بتانے والا۔ اور جس قبلہ پر تم تھے، ہم نے اس کو صرف اس لئے ٹھیرایا تھا کہ ہم جان لیں کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون اس سے الٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔ اور بیشک یہ بات بھاری ہے مگر ان لوگوں پر جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے۔ اور اللہ ایسا نہیں کہ تمھارے ایمان کو ضائع کر دے۔ بے شک اللہ لوگوں کے ساتھ شفقت کرنے والا مہربان ہے ۱۴۲-۱۴۳

قبلہ کا تعلق مظاہرِ عبادت سے ہے نہ کہ حقیقت عبادت سے۔ قبلہ کا اصل مقصد عبادت کی تنظیم کے لئے ایک عمومی رخ کا تعین کرنا ہے۔ ہر سمت اللہ کی سمت ہے۔ وہ اپنے بندوں کے لئے جو سمت بھی مقرر کر دے وہی اس کی پسندیدہ عبادتی سمت ہوگی، خواہ وہ مشرق کی طرف ہو یا مغرب کی طرف۔ مگر لمبی مدت تک بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے عبادت کرنے کی وجہ سے قبلۂ اول کو تقدس حاصل ہو گیا تھا۔ چنانچہ ۲ھ میں جب قبلہ کی تبدیلی کا اعلان ہوا تو بہت سے لوگوں کے لئے اپنے ذہن کو اس کے مطابق بنانا مشکل ہو گیا۔ یہود نے اس کو بہانہ بنا کر آپ کے خلاف طرح طرح کی باتیں پھیلانی شروع کیں ـــــ بیت المقدس ہمیشہ سے نبیوں کا قبلہ رہا ہے۔ پھر اس کی مخالفت کیوں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ساری تحریک یہود کی ضد میں چلائی جا رہی ہے۔ کوئی کہتا کہ یہ مدعیٔ رسالت خود اپنے مشن کے بارے میں متحیر و متردد ہیں، کبھی کعبہ کی طرف رخ کر کے عبادت کرنے کو کہتے ہیں اور کبھی بیت المقدس کی طرف۔ کسی نے کہا: اگر کعبہ ہی اصل قبلہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے پہلے جو مسلمان بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے ان کی نمازیں بے کار گئیں، وغیرہ۔ مگر جو سچے خدا پرست تھے، جو مظاہر میں اٹکے ہوئے نہیں تھے، ان کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اصل چیز قبلہ کی سمت نہیں، اصل چیز خدا کا حکم ہے۔ اللہ کی طرف سے جس وقت جو حکم آجائے وہی اس وقت کا قبلہ ہوگا۔ روایات میں آتا ہے کہ ہجرت کے تقریباً سترہ ماہ بعد جب قبلہ کی تبدیلی کا حکم آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ مدینہ میں نماز ادا کر رہے تھے۔ حکم معلوم ہوتے ہی آپ نے اور مسلمانوں نے عین حالت نماز میں اپنا رخ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف کر لیا۔ یعنی شمال سے جنوب کی طرف۔

قبلہ کی تبدیلی ایک علامت تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو امامت سے معزول کر کے امتِ محمدی کو اس کی جگہ مقرر کر دیا ہے۔ اب قیامت تک بیت المقدس کے بجائے کعبہ خدا کے دین کی دعوت اور خدا پرستوں کے باہمی اتحاد کا عالمی مرکز ہوگا۔ "وسط" کے معنی بیچ کے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان اللہ کے پیغام کو اس کے بندوں تک پہنچانے کے لئے درمیانی وسیلہ ہیں۔ اللہ کا پیغام رسول کے ذریعہ ان کو پہنچا ہے۔ اب اس پیغام کو انھیں قیامت تک تمام قوموں کو پہنچاتے رہنا ہے، اسی پر دنیا میں بھی ان کے مستقبل کا انحصار ہے اور اسی پر آخرت کا بھی۔

ہم تمھارے منھ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں۔ پس ہم تم کو اسی قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس کو تم پسند کرتے ہو، اب اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیر دو۔ اور تم جہاں کہیں بھی ہو، اپنے رُخ کو اسی کی طرف کردو۔ اور اہلِ کتاب خوب جانتے ہیں کہ یہ حق ہے اور ان کے رب کی جانب سے ہے۔ اور اللہ بے خبر نہیں اس سے جو وہ کر رہے ہیں اور اگر تم ان اہلِ کتاب کے سامنے تمام دلیلیں پیش کر دو تب بھی وہ تمھارے قبلہ کو نہ مانیں گے اور نہ تم ان کے قبلہ کی پیروی کر سکتے ہو۔ اور نہ وہ خود ایک دوسرے کے قبلہ کو مانتے ہیں۔ اور اس علم کے بعد جو تمھارے پاس آچکا ہے، اگر تم ان کی خواہشوں کی پیروی کروگے تو یقیناً تم ظالموں میں ہو جاؤ گے۔ جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ اور ان میں سے ایک گروہ حق کو چھپا رہا ہے حالاں کہ وہ اس کو جانتا ہے۔ حق وہ ہے جو تیرا رب کہے۔ پس تم ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔

۱۴۴ — ۱۴۷

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ تھی کہ جن امور میں ابھی وحی نہ آئی ہو ان میں آپ پچھلے انبیاء کے طریقہ کی پیروی کرتے تھے۔ اسی بنا پر آپ نے ابتداءً بیت المقدس کو قبلہ بنایا تھا جو حضرت سلیمانؑ کے زمانہ سے بنی اسرائیل کے پیغمبروں کا قبلہ رہا ہے۔ یہود کو جب اللہ تعالیٰ نے دین کی امامت و پیشوائی سے معزول کیا تو اس کے بعد یہ بھی ضروری ہو گیا کہ دین کو یہود کی روایات سے جدا کر دیا جائے تاکہ خدا کا دین ہر اعتبار سے اپنی خالص شکل میں نمایاں ہو سکے۔ اسی مصلحت کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبدیلیٔ قبلہ کے حکم کا انتظار رہتا تھا۔ چنانچہ ہجرت کے دوسرے سال یہ حکم آگیا۔ یہود کے انبیاء جو یہود کو خبردار کرنے کے لئے آئے، وہ پہلے ہی اس فیصلۂ الٰہی کی بابت یہود کو بتا چکے تھے اور ان کے علماء اس معاملہ کو اچھی طرح جانتے تھے۔ تاہم ان میں صرف چند لوگ (جیسے عبد اللہ بن سلام اور مخیریق رضی اللہ عنہما) ایسے نکلے جنھوں نے آپ کی تصدیق کی اور اس بات کا اقرار کیا کہ آپ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سچے دین کا اظہار فرمایا ہے۔ یہود کے نہ ماننے کی وجہ محض ان کی خواہش پرستی تھی۔ وہ جن گروہی خوش خیالیوں میں جی رہے تھے، ان سے وہ نکلنا نہیں چاہتے تھے۔ اور جو انکار محض خواہش پرستی کی بنا پر پیدا ہو اس کو توڑنے میں کبھی کوئی دلیل کامیاب نہیں ہوتی۔ ایسا آدمی دلائل کے انکار سے اپنے لئے وہ رزق حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جو اس کے خالق نے صرف دلائل کے اعتراف میں رکھا ہے۔

اللہ کی طرف سے جب کسی امر حق کا اعلان ہوتا ہے تو وہ ایسے قطعی دلائل کے ساتھ ہوتا ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ اس کی صداقت کو پہچاننے سے عاجز نہ رہے۔ ایسی حالت میں جو لوگ شبہ میں پڑیں وہ صرف یہ ثابت کر رہے ہیں کہ وہ خدا سے آشنا نہ تھے اس لئے وہ خدا کی بولی کو پہچان نہ سکے۔ اسی طرح وہ لوگ جو حق کے خلاف کچھ الفاظ بول کر سمجھتے ہیں کہ انھوں نے حق کا اعتراف نہ کرنے کے لئے مضبوط استدلالی سہارے دریافت کر لئے ہیں، بہت جلد ان کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ محض فرضی سہارے تھے جو ان کے نفس نے اپنی جھوٹی تسکین کے لئے وضع کر لئے تھے۔

ہر ایک کے لئے ایک رخ ہے جدھر وہ منھ کرتا ہے۔ پس تم بھلائیوں کی طرف دوڑو۔ تم جہاں کہیں ہوگے اللہ تم سب کو لے آئے گا۔ بے شک اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ اور تم جہاں سے بھی نکلو اپنا رخ مسجد حرام کی طرف کرو۔ بے شک یہ حق ہے، تمھارے رب کی طرف سے ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں۔ اور تم جہاں سے بھی نکلو اپنا رخ مسجد حرام کی طرف کرو اور تم جہاں بھی ہو اپنے رخ اسی کی طرف رکھو تاکہ لوگوں کو تمھارے اوپر کوئی حجت باقی نہ رہے، سوا ان لوگوں کے جو ان میں بے انصاف ہیں۔ پس تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔ اور تاکہ میں اپنی نعمت تمھارے اوپر پوری کردوں۔ اور تاکہ تم راہ پا جاؤ۔ جس طرح ہم نے تمھارے درمیان ایک رسول تم ہی میں سے بھیجا جو تم کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور تم کو پاک کرتا ہے اور تم کو کتاب کی اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور تم کو وہ چیزیں سکھا رہا ہے جن کو تم نہیں جانتے تھے۔ پس تم مجھ کو یاد رکھو میں تم کو یاد رکھوں گا۔ اور میرا احسان مانو، میری ناشکری مت کرو ۱۴۸ - ۱۵۲

کعبہ کو قبلہ مقرر کیا گیا تو یہودیوں اور عیسائیوں نے اس قسم کی بحثیں چھیڑ دیں کہ مغرب کی سمت خدا کی سمت ہے یا مشرق کی سمت۔ وہ اس مسئلہ کو بس رخ بندی کے مسئلہ کی حیثیت سے دیکھ رہے تھے۔ مگر یہ ان کی ناسمجھی تھی۔ کعبہ کو قبلہ مقرر کرنے کا معاملہ سادہ طور پر ایک عبادتی رخ مقرر کرنے کا معاملہ نہیں تھا بلکہ یہ ایک علامت تھی کہ اللہ کے بندوں کے لئے اس سب سے بڑے خیر کے اترنے کا وقت آگیا ہے جس کا فیصلہ بہت پہلے کیا جا چکا تھا۔ یہ ابراہیم و اسماعیل (علیہما السلام) کی دعا کے مطابق نبی آخر الزماں ؐ کا ظہور ہے۔ اب وہ آنے والا آگیا ہے جو انسان کے اوپر اللہ کی ابدی ہدایت کا دروازہ کھولے اور اس کی نعمت ہدایت کو آخری حد تک کامل کردے ——— جو دین اللہ کی طرف سے بار بار بھیجا جاتا رہا مگر انسانوں کی غفلت و سرکشی سے ضائع ہوتا رہا، اس کو اس کی پوری صورت میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کردے۔ خدا کا دین جو اب تک محض روایتی افسانہ بنا ہوا تھا اس کو ایک حقیقی واقعہ کی حیثیت سے انسانی تاریخ میں شامل کردے۔ وہ دین جس کا کوئی مستقل نمونہ قائم نہیں ہو سکا تھا اس کو ایک زندہ عملی نمونہ کی حیثیت سے لوگوں کے سامنے رکھ دے۔ یہ ہدایت الٰہی کی تکمیل کا معاملہ ہے نہ کہ مختلف سمتوں میں سے کوئی زیادہ "مقدس سمت" مقرر کرنے کا۔

کعبہ کی تعمیر کے وقت ہی یہ مقدر ہو چکا تھا کہ آخری رسول کے ذریعہ جس دین کا ظہور ہوگا اس کا مرکز کعبہ ہوگا پچھلے انبیاء لوگوں کو مسلسل اس کی خبر دیتے رہے۔ اس طرح اللہ کی طرف سے کعبہ کو تمام قوموں کے لئے قبلہ مقرر کرنا گویا نبی آخر الزماں کی حیثیت کو ثابت شدہ بنانا تھا۔ اب جو سنجیدہ لوگ ہیں ان کے لئے اللہ کا یہ اعلان آخری حجت ہے۔ اور جو لوگ آخرت سے بے خوف ہیں ان کی زبان کو کوئی بھی چیز روکنے والی ثابت نہیں ہو سکتی۔ جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں وہی ہدایت کا راستہ پاتے ہیں۔ اللہ کو یاد رکھنا ہی کسی کو اس کا مستحق بناتا ہے کہ اللہ اس کو یاد رکھے۔ اللہ سے خوف رکھنا ہی اس بات کی ضمانت ہے کہ اللہ اس کو دوسری تمام چیزوں سے بے خوف کردے۔

اے ایمان والو، صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔ یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں ان کو مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تم کو خبر نہیں۔ اور ہم ضرور تم کو آزمائیں گے کچھ ڈر اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی سے۔ اور ثابت قدم رہنے والوں کو خوش خبری دے دو جن کا حال یہ ہے کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں: ہم اللہ کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے اوپر ان کے رب کی شاباشیاں ہیں اور رحمت ہے۔ اور یہی لوگ ہیں جو راہ پر ہیں ۱۵۷-۱۵۳

دین یہ ہے کہ آدمی اپنے خالق کو اس طرح پالے کہ اس کی یاد میں اور اس کی شکر گزاری میں اس کے صبح و شام بسر ہونے لگیں۔ اس قسم کی زندگی ہی تمام خوشیوں اور لذتوں کا خزانہ ہے۔ مگر یہ خوشیاں اور لذتیں اپنی حقیقی صورت میں آدمی کو صرف آخرت میں ملیں گی۔ موجودہ دنیا کو اللہ تعالیٰ نے انعام کے لئے نہیں بنایا بلکہ امتحان کے لئے بنایا ہے، یہاں ایسے حالات رکھے گئے ہیں کہ خدا پرستی کی راہ میں آدمی کے لئے رکاوٹیں پڑیں تاکہ معلوم ہو کہ کون اپنے اظہار ایمان میں سنجیدہ ہے اور کون سنجیدہ نہیں ——— نفس کے محرکات، بیوی بچوں کے تقاضے، دنیا کی مصلحتیں، شیطان کے وسوسے، سماجی حالات کا دباؤ، یہ چیزیں فتنہ کی صورت میں آدمی کو گھیرے رہتی ہیں۔ آدمی کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ ان فتنوں کو پہچانے اور ان سے اپنے آپ کو بچاتے ہوئے ذکر و شکر کے تقاضے پورا کرے۔

ان امتحانی مشکلات کے مقابلہ میں کامیابی کا واحد ذریعہ نماز اور صبر ہے۔ یعنی اللہ سے لپٹنا اور ہر قسم کی ناخوش گواریوں کو برداشت کرتے ہوئے بالارادہ حق کے راستہ پر جمے رہنا۔ جو لوگ ناموافق حالات سامنے آنے کے باوجود نہ بدکیں اور بظاہر غیر اللہ میں نفع دیکھتے ہوئے اللہ کے ساتھ اپنے کو باندھے رہیں وہی وہ لوگ ہیں جو سنتِ الٰہی کے مطابق کامیابی کی منزل تک پہنچیں گے۔

حق کی راہ میں مشکلات و مصائب کا دوسرا سبب مومن کا تبلیغی کردار ہے۔ تبلیغ و دعوت کا کام نصیحت اور تنقید کا کام ہے۔ اور نصیحت اور تنقید ہمیشہ آدمی کے لئے سب سے زیادہ مبغوض چیز رہی ہے، ان میں بھی نصیحت سننے کے لئے سب سے زیادہ حساس وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے دنیا کے کاروبار کو دین کے نام پر کر رہے ہوں۔ داعی کی ذات اور اس کے پیغام میں ایسے تمام لوگوں کو اپنی حیثیت کی نفی نظر آنے لگتی ہے۔ داعی کا وجود ایک ایسی ترازو بن جاتا ہے جس پر ہر آدمی تل رہا ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ داعی بنا بھڑ کے چھتہ میں ہاتھ ڈالنے کے ہم معنی بن جاتا ہے۔ ایسا آدمی اپنے ماحول کے اندر بے جگہ کر دیا جاتا ہے۔ اس کی معاشیات برباد ہو جاتی ہیں۔ اس کی ترقیوں کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس کی جان تک خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔ مگر وہی آدمی راہ پر ہے جس کو بے راہ بتا کر ستایا جائے۔ وہی پاتا ہے جو اللہ کی راہ میں کھوئے۔ وہی جی رہا ہے جو اللہ کی راہ میں اپنی جان دے دے۔ آخرت کی جنت اسی کے لئے ہے جو اللہ کی خاطر دنیا کی جنت سے محروم ہو گیا ہو۔

صفا اور مروہ بے شک اللہ کی یادگاروں میں سے ہیں۔ پس جو شخص بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی حرج نہیں کہ وہ ان کا طواف کرے اور جو کوئی شوق سے کچھ نیکی کرے تو اللہ قدر داں ہے، جاننے والا ہے۔ جو لوگ چھپاتے ہیں ہماری اتاری ہوئی کھلی نشانیوں کو اور ہماری ہدایت کو، بعد اس کے کہ ہم اس کو لوگوں کے لئے کتاب میں کھول چکے ہیں تو وہی لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور ان پر لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔ البتہ جنھوں نے توبہ کی اور اصلاح کرلی اور بیان کیا تو ان کو میں معاف کر دوں گا اور میں ہوں معاف کرنے والا، مہربان۔ بے شک جن لوگوں نے انکار کیا اور اسی حال میں مرگئے تو وہی لوگ ہیں کہ ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور آدمیوں کی سب کی لعنت ہے۔ اسی حال میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ ان پر سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا اور نہ ان کو ڈھیل دی جائے گی ۱۶۲ - ۱۵۸

حضرت ابراہیمؑ کا وطن عراق تھا۔ اللہ کے حکم سے وہ اپنی بیوی ہاجرہ اور چھوٹے بچے اسماعیل کو لاکر اس مقام پر چھوڑ گئے جہاں آج مکہ ہے۔ اس وقت یہاں نہ کوئی آبادی تھی اور نہ پانی۔ پیاس کا تقاضا ہوا تو ہاجرہ پانی کی تلاش میں نکلیں۔ پریشانی کے عالم میں وہ صفا اور مروہ نامی پہاڑیوں کے درمیان دوڑتی رہیں۔ سات چکر لگانے کے بعد ناکام لوٹیں تو دیکھا کہ ان کی قیام گاہ کے پاس ایک چشمہ پھوٹ نکلا ہے۔ یہ چشمہ بعد کو زمزم کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ ایک علامتی واقعہ ہے جو بتاتا ہے کہ اللہ کا معاملہ اپنے بندوں سے کیا ہے۔ اللہ کا کوئی بندہ اگر اللہ کی راہ میں بڑھتے ہوئے اس حد تک چلا جائے کہ اس کے قدموں کے نیچے ریگستان اور بیابان کے سوا کچھ نہ رہے تو اللہ اپنی قدرت سے ریگستان میں اس کے لئے رزق کے چشمے جاری کر دے گا ——— حج اور عمرہ میں صفا و مروہ کے درمیان سعی کا مقصد اسی تاریخ کی یاد کو تازہ کرنا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور تعلیمات میں اللہ کی نشانیاں اتنی واضح تھیں کہ یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ آپ کی زبان پر اللہ کا کلام جاری ہوا ہے۔ مگر یہودی علماء نے آپ کا اقرار نہیں کیا۔ ان کو اندیشہ تھا کہ اگر وہ پیغمبر عربیؐ کو مان لیں تو ان کی مذہبی بڑائی ختم ہو جائے گی۔ ان کی جمی ہوئی تجارتیں اجڑ جائیں گی۔ اپنی کامیابی کا راز انھوں نے حق کو چھپانے میں سمجھا، حالاں کہ ان کی کامیابی کا راز حق کے اعلان میں تھا۔ حق کی طرف بڑھنے میں وہ اپنے آپ کو بے زمین ہوتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ مگر وہ بھول گئے کہ یہی وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ مطلوب ہے۔ جو بندہ حق کی خاطر بے زمین ہو جائے وہ سب سے بڑی زمین کو پالیتا ہے، یعنی اللہ رب العالمین کی نصرت کو۔

تاہم اللہ کی رحمت کا دروازہ آدمی کے لئے ہر وقت کھلا رہتا ہے۔ ابتدائی طور پر غلطی کرنے کے بعد اگر آدمی کو ہوش آجائے اور وہ پلٹ کر صحیح رویہ اختیار کرلے۔ وہ اس امر حق کا اعلان کرے جس کو اللہ چاہتا ہے کہ اس کا اعلان کیا جائے تو اللہ اس کو معاف کر دے گا۔ مگر جو لوگ عدم اعتراف پر قائم رہیں اور اسی حال میں مر جائیں تو وہ اللہ کی رحمتوں سے دور کر دئے جائیں گے۔

اور تمھارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ بڑا مہربان ہے، نہایت رحم والا ہے۔ بے شک آسمانوں اور زمین کی بناوٹ میں اور رات اور دن کے آنے جانے میں اور ان کشتیوں میں جو انسانوں کے کام آنے والی چیزیں لے کر سمندر میں چلتی ہیں اور اس پانی میں جس کو اللہ نے آسمان سے اتارا۔ پھر اس سے مردہ زمین کو زندگی بخشی۔ اور اس نے زمین میں سب قسم کے جانور پھیلا دئے۔ اور ہواؤں کی گردش میں اور بادلوں میں جو آسمان و زمین کے درمیان حکم کے تابع ہیں، ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں ۱۶۴ - ۱۶۳۔

انسان کا خدا ایک ہی خدا ہے اور وہی اس قابل ہے کہ وہ انسان کی توجہات کا مرکز بنے۔ ہمارا وجود اور وہ سب کچھ جو ہم کو زمین پر حاصل ہے وہ اسی لئے ہے کہ ہمارا یہ خدا رحمتوں اور مہربانیوں کا خزانہ ہے۔ آدمی کو چاہئے کہ اس کو حقیقی معنوں میں اپنا معبود بنائے۔ وہ اسی کے لئے جئے اور اسی کے لئے مرے اور اپنی تمام امیدوں اور تمناؤں کو ہمیشہ کے لئے اسی کے ساتھ وابستہ کر دے۔ جس طرح ایک چھوٹا بچہ اپنا سب کچھ صرف اپنی ماں کو سمجھتا ہے اسی طرح خدا انسان کے لئے اس کا سب کچھ بن جائے۔

ہمارے سامنے پھیلی ہوئی کائنات اللہ کا ایک عظیم الشان تعارف ہے۔ زمین و آسمان کی صورت میں ایک انتھاہ کارخانہ کا موجود ہونا ظاہر کرتا ہے کہ ضرور اس کا کوئی بنانے والا ہے۔ طرح طرح کے ظاہری اختلاف اور تضاد کے باوجود تمام چیزوں کا حد درجہ ہم آہنگی کے ساتھ کام کرنا ثابت کرتا ہے کہ اس کا خالق و مالک صرف ایک ہے۔ کائنات کی چیزوں میں نفع بخشی کی صلاحیت ہونا گویا اس بات کا اعلان ہے کہ اس کی منصوبہ بندی کامل شعور کے تحت بالارادہ کی گئی ہے۔ بظاہر بے جان چیزوں میں قدرتی عمل سے جان اور تازگی کا آجانا بتاتا ہے کہ کائنات میں موت محض عارضی ہے، یہاں ہر موت کے بعد لازماً دوسری زندگی آتی ہے۔ ایک ہی پانی اور ایک ہی خوراک سے قسم قسم کے جاندار کا ان گنت تعداد میں پایا جانا اللہ کی بے حساب قدرت کا پتہ دیتا ہے۔ ہوا کا مکمل طور پر انسان کو اپنے گھیرے میں لئے رہنا بتاتا ہے کہ انسان پوری طرح اپنے خالق کے قبضہ میں ہے۔ کائنات کی تمام چیزوں کا انسانی ضرورت کے مطابق سدھا ہوا ہونا ثابت کرتا ہے کہ انسان کا خالق ایک بے حد مہربان ہستی ہے، وہ اس کی ضروریات کا اہتمام اس وقت سے کر رہا ہوتا ہے جب کہ اس کا وجود بھی نہیں ہوتا۔

کائنات میں اس قسم کی نشانیاں گویا مخلوقات کے اندر خالق کی جھلکیاں ہیں۔ وہ اللہ کی ہستی کا، اس کے ایک ہونے کا، اس کے تمام صفاتِ کمال کا جامع ہونے کا اتنے بڑے پیمانہ پر اظہار کر رہی ہیں کہ کوئی آنکھ والا اس کو دیکھنے سے محروم نہ رہے اور کوئی عقل والا اس کو پانے سے عاجز نہ ہو ——— دلائل کو وہی شخص پاتا ہے جو دلائل پر غور کرتا ہو۔ وہ سچائی کو جاننے کے معاملہ میں سنجیدہ ہو۔ وہ مصلحتوں سے اوپر اٹھ کر رائے قائم کرتا ہو۔ وہ ظاہری چیزوں میں الجھ کر نہ رہ گیا ہو بلکہ ظاہری چیزوں کے پیچھے چھپی ہوئی باطنی حقیقت کو جاننے کا حریص ہو۔

اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا برابر ٹھہراتے ہیں۔ ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے رکھنا چاہئے۔ اور جو ایمان والے ہیں وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت رکھنے والے ہیں۔ اور اگر یہ ظالم اس وقت کو دیکھ لیں جب کہ وہ عذاب کو دیکھیں گے کہ زور سارا کا سارا اللہ کا ہے اور اللہ بڑا سخت عذاب دینے والا ہے۔ جب کہ وہ لوگ جن کے کہنے پر دوسرے چلتے تھے ان لوگوں سے الگ ہو جائیں گے جو ان کے کہنے پر چلتے تھے۔ عذاب ان کے سامنے ہوگا اور ان کے سب طرف کے رشتے ٹوٹ چکے ہوں گے۔ وہ لوگ جو پیچھے چلے تھے کہیں گے کاش ہم کو دنیا کی طرف لوٹنا مل جاتا تو ہم بھی ان سے الگ ہو جاتے جیسے یہ ہم سے الگ ہو گئے۔ اس طرح اللہ ان کے اعمال کو انھیں حسرت بنا کر دکھائے گا اور وہ آگ سے نکل نہ سکیں گے ۱۶۷-۱۶۵

آدمی اپنی فطرت اور اپنے حالات کے لحاظ سے ایک ایسی مخلوق ہے جو ہمیشہ ایک خارجی سہارا چاہتا ہے، ایک ایسی ہستی جو اس کی کمیوں کی تلافی کرے اور اس کے لئے اعتماد و یقین کی بنیاد ہو۔ کسی کو اس حیثیت سے اپنی زندگی میں شامل کرنا اس کو اپنا معبود بنانا ہے۔ جب آدمی کسی ہستی کو اپنا معبود بناتا ہے تو اس کے بعد لازمی طور پر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کے محبت و عقیدت کے جذبات اس کے لئے خاص ہو جاتے ہیں۔ آدمی عین اپنی فطرت کے لحاظ سے مجبور ہے کہ کسی سے حُبِّ شدید کرے، اور جس سے کوئی حب شدید کرے وہی اس کا معبود ہے۔ موجودہ دنیا میں چوں کہ خدا نظر نہیں آتا اس لئے ظاہر پرست انسان عام طور پر نظر آنے والی ہستیوں میں سے کسی ہستی کو وہ مقام دے دیتا ہے جو در اصل خدا کو دینا چاہئے۔ یہ ہستیاں اکثر وہ سردار یا پیشوا ہوتے ہیں جو کسی ظاہری خصوصیت کی بنا پر لوگوں کا مرجع بن جاتے ہیں۔ آدمی کی فطرت کا خلا جو حقیقۃً اس لئے تھا کہ اس کو رب العالمین سے پُر کیا جائے وہاں وہ کسی سردار یا پیشوا کو بٹھا لیتا ہے۔

ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ کسی انسان کے گرد کچھ ظاہری رونق دیکھ کر لوگ اس کو "بڑا" سمجھ لیتے ہیں۔ کوئی اپنے غیر معمولی شخصی اوصاف سے لوگوں کو متاثر کر لیتا ہے۔ کوئی کسی گدی پر بیٹھ کر سیکڑوں سال کی روایات کا وارث بن جاتا ہے۔ کسی کے یہاں انسانوں کی بھیڑ دیکھ کر لوگوں کو غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ وہ عام انسانوں سے بلند تر کوئی انسان ہے۔ کسی کے گرد پُر اسرار کہانیوں کا ہالہ تیار ہو جاتا ہے اور سمجھ لیا جاتا ہے کہ وہ غیر معمولی قوتوں کا حامل ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ خدا کی اس کائنات میں خدا کے سوا کسی کو کوئی زور یا بڑائی حاصل نہیں۔ انسان کو خدا کا درجہ دینے کا کاروبار اسی وقت تک ہے، جب تک خدا ظاہر نہیں ہوتا۔ خدا کے ظاہر ہوتے ہی صورت حال اس قدر بدل جائے گی کہ بڑے اپنے چھوٹوں سے بھاگنا چاہیں گے اور چھوٹے اپنے بڑوں سے۔ وہ وابستگی جس پر آدمی دنیا میں فخر کرتا تھا، جس سے وفاداری اور شیفتگی دکھا کر آدمی سمجھتا تھا کہ اس نے سب سے بڑی چٹان کو پکڑ رکھا ہے وہ آخرت کے دن اس طرح بے معنی ثابت ہوگی جیسے اس کی کوئی حقیقت ہی نہ ہو۔ آدمی اپنی گزری ہوئی زندگی کو حسرت کے ساتھ دیکھے گا اور کچھ نہ کر سکے گا۔

لوگو! زمین کی چیزوں میں سے حلال اور ستھری چیزیں کھاؤ اور شیطان کے قدموں پر مت چلو، بے شک وہ تمھارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ وہ تم کو صرف برے کام اور بے حیائی کی تلقین کرتا ہے اور اس بات کی کہ تم اللہ کی طرف وہ باتیں منسوب کرو جن کے بارے میں تم کو کوئی علم نہیں۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس پر چلو جو اللہ نے اتارا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ کیا اس صورت میں بھی کہ ان کے باپ دادا نہ عقل رکھتے ہوں اور نہ سیدھی راہ جانتے ہوں۔ اور ان منکروں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص ایسے جانور کے پیچھے چلا رہا ہو جو بلانے اور پکارنے کے سوا اور کچھ نہیں سنتا۔ یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں۔ وہ کچھ نہیں سمجھتے ۱۶۸ — ۱۷۱

شرک کیا ہے، جذباتِ عبودیت کی تسکین کے لئے خدا کے سوا کوئی دوسرا مرکز بنا لینا۔ خدا انسان کی سب سے بڑی اور لازمی ضرورت ہے۔ خدا کی طلب انسانی فطرت میں اس طرح بسی ہوئی ہے کہ کوئی شخص خدا کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ انسان کی گمراہی خدا کو چھوڑنا نہیں ہے بلکہ اصلی خدا کی جگہ کسی فرضی خدا کو اپنا خدا بنا لینا ہے۔ اس لئے شریعت میں ہر اس چیز کو حرام قرار دیا گیا ہے جو کسی بھی درجہ میں آدمی کی فطری طلب کو اللہ کے سوا کسی اور طرف موڑ دینے والی ہو۔

بت پرست قومیں بتوں کے نام پر جانور چھوڑتی ہیں اور ان جانوروں کو کھانا یا ان سے نفع اٹھانا حرام سمجھتی ہیں۔ جدید تہذیب میں بھی یہ رسم "قومی پرند" اور "قومی جانور" جیسی صورتوں میں رائج ہے۔ اس طرح کسی چیز کو اپنے لئے حرام کر لینا محض ایک سادہ قانونی معاملہ نہیں ہے بلکہ یہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا ہے۔ کیوں کہ جب ایک چیز کو اس طرح حرام ٹھہرایا جاتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ کسی خود ساختہ عقیدہ کی وجہ سے اس کو مقدس سمجھ لیا جاتا ہے۔ یہ خدا کے حقوق میں غیر خدا کو ساجھی بنانا ہے، یہ احترام و تقدس کے ان فطری جذبات کو تقسیم کرنا ہے جو صرف خدا کے لئے ہیں اور جن کو صرف خدا ہی کے لئے ہونا چاہئے۔ شیطان اس قسم کے رواج اس لئے ڈالتا ہے تاکہ آدمی کے اندر چھپے ہوئے استعجاب و تقدس کے جذبات کو مختلف سمتوں میں بانٹ کر اللہ کے ساتھ اس کے تعلق کو کمزور کر دے۔

ایک بار جب کسی غیر اللہ کو مقدس مان لیا جائے تو انسان کی توہم پرستی اس میں نئی نئی برائیاں پیدا کرتی رہتی ہے۔ ایک "جانور" کو ان پُراسرار اوصاف کا حامل گمان کر لیا جاتا ہے جو صرف خدا کے لئے خاص ہیں۔ اس کو خدا کی قربت حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھ لیا جاتا ہے۔ اس سے برکت اور کاربرآری کی امید کی جاتی ہے۔ یہ چیز جب اگلی نسلوں تک پہنچتی ہے تو وہ اس کو آبا و اجداد کی مقدس سنت سمجھ کر اس طرح پکڑ لیتی ہیں کہ اب اس پر کسی قسم کا غور و فکر ممکن نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ وہ وقت آتا ہے جب کہ لوگ دلیل کی زبان سمجھنے سے اتنا زیادہ عاری ہو جاتے ہیں گویا کہ ان کے پاس نہ آنکھ اور کان ہیں جن سے وہ دیکھیں اور سنیں اور نہ ان کے پاس دماغ ہے جس سے وہ کسی بات کو سمجھیں۔

اے ایمان والو ہماری دی ہوئی پاک چیزوں کو کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم اس کی عبادت کرنے والے ہو۔ اللہ نے تم پر حرام کیا ہے صرف مردار کو اور خون کو اور سور کے گوشت کو۔ اور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔ پھر جو شخص مجبور ہو جائے، وہ نہ خواہش مند ہو اور نہ حد سے آگے بڑھنے والا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ بے شک اللہ بخشنے والا، مہربان ہے۔ جو لوگ اس چیز کو چھپاتے ہیں جو اللہ نے اپنی کتاب میں اتاری ہے اور اس کے بدلے میں تھوڑا مول لیتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں صرف آگ بھر رہے ہیں۔ قیامت کے دن اللہ نہ ان سے ہم کلام ہوگا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی کا سودا کیا اور بخشش کے بدلے عذاب کا، تو کیسی سہار رہے ہے ان کو آگ کی۔ یہ اس لئے کہ اللہ نے اپنی کتاب کو ٹھیک ٹھیک اتارا مگر جن لوگوں نے کتاب میں کئی راہیں نکال لیں وہ ضد میں دور جا پڑے ۱۷۲-۱۷۶

کھانے پینے کی چیزوں کو استعمال کرتے ہوئے جو احساسات آدمی کے اندر ابھرنے چاہئیں وہ شکر اور اطاعت الٰہی کے احساسات ہیں۔ یعنی یہ کہ "ہم اللہ کی دی ہوئی چیز کو اللہ کے حکم کے مطابق کھا رہے ہیں"۔ یہ احساس آدمی کے اندر خدا پرستی کا جذبہ ابھارتا ہے۔ مگر خود ساختہ طور پر جو عقیدے بنائے جاتے ہیں اس میں یہ نفسیات بدل جاتی ہیں۔ اب انسان کی توجہ چیزوں کے مفروضہ خواص کی طرف لگ جاتی ہے۔ جن چیزوں کو پا کر اللہ کے شکر کا جذبہ ابھرتا ان سے خود ان چیزوں کے احترام و تقدس کا جذبہ ابھرتا ہے۔ آدمی مخلوق کو خالق کا درجہ دے دیتا ہے۔ کسی چیز کے حرام ہونے کی بنیاد اس کا مفروضہ تقدس یا اس کے بارے میں توہماتی عقائد نہیں ہیں۔ بلکہ اس کے اسباب بالکل دوسرے ہیں۔ یہ کہ وہ چیزیں ناپاک ہوں اور شریعت نے ان کی ناپاکی کی تصدیق کی ہو۔ جیسے مردار، خون، سور۔ یا خدا کے پیدا کئے ہوئے جانور کو خدا کے سوا کسی اور نام پر ذبح کرنا، وغیرہ۔ اضطرار کی حالت میں آدمی حرام کو کھا سکتا ہے۔ جبکہ بھوک یا بیماری یا حالات کا کوئی دباؤ آدمی کو اس کے استعمال پر مجبور کر دے۔ تاہم یہ ضروری ہے کہ آدمی حرام چیز کو رغبت سے نہ کھائے اور نہ اس کو واقعی ضرورت سے زیادہ لے۔

اس قسم کے توہماتی عقائد جب عوامی مذہب بن جائیں تو علماء کا حال یہ ہو جاتا ہے کہ اس کے بارے میں اللہ کا حکم جانتے ہوئے بھی وہ اس کے اعلان سے ڈرنے لگتے ہیں۔ کیوں کہ ان کو اندیشہ ہوتا ہے کہ اس طرح وہ عوام سے کٹ جائیں گے جن کے درمیان مقبولیت حاصل کر کے وہ "بڑے" بنے ہوئے ہیں۔ گمراہ عوام سے مصالحت اگرچہ دنیا میں ان کو عزت اور دولت دے دیتی ہے مگر اللہ کی نظر میں ایسے لوگ بدترین مجرم ہیں۔ حق کو مصلحت کی خاطر چھپانا ان لغزشوں میں نہیں ہے جن سے آخرت میں اللہ درگزر فرمائے گا۔ یہ وہ جرائم ہیں جو آدمی کو اللہ کی نظر عنایت سے محروم کر دیتے ہیں۔ ان میں بھی زیادہ برے وہ لوگ ہیں جن کے سامنے حق پیش کیا جائے اور وہ اعتراف کرنے کے بجائے اس میں بے معنی بحثیں نکالنے لگیں۔ ایسے لوگوں کے اندر ضد کی نفسیات پیدا ہو جاتی ہیں اور بالآخر وہ حق سے اتنا دور ہو جاتے ہیں کہ کبھی اس کی طرف نہیں لوٹتے۔

نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے منھ پورب اور پچھم کی طرف کرلو۔ بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور پیغمبروں پر ۔ اور مال دے اللہ کی محبت میں رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں ۔ اور نماز قائم کرے اور زکواۃ ادا کرے اور جب عہد کرلیں تو اس کو پورا کریں ۔ اور صبر کرنے والے سختی اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت یہی لوگ ہیں جو سچے نکلے اور یہی ہیں ڈر رکھنے والے ۱۷۷

یہود نے مغرب کو اپنا قبلۂ عبادت بنایا تھا اور نصاریٰ نے مشرق کو۔ دونوں اپنی اپنی سمت کو مقدس سمجھتے تھے ۔ دونوں کو بھروسہ تھا کہ انھوں نے خدا کی مقدس سمت کو اپنا قبلہ بنا کر خدا کے یہاں اپنا درجہ محفوظ کرلیا ہے ۔ مگر خدا پرستی یہ نہیں ہے کہ آدمی کسی "مقدس ستون" کو تھام لے ۔ خدا پرستی یہ ہے کہ آدمی خود اللہ کے دامن کو پکڑ لے ۔ دینی عمل کی اگرچہ ایک ظاہری صورت ہوتی ہے ۔ مگر حقیقت کے اعتبار سے وہ اس اللہ کو پالینا ہے جو زمین و آسمان کا نور ہے ، جو آدمی کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہے ۔ اللہ کے یہاں جو چیز کسی کو مقبول بناتی ہے وہ کسی قسم کی ظاہری چیزیں نہیں ہیں بلکہ وہ عمل ہے جو آدمی اپنے پورے وجود کے ساتھ خالص اللہ کے لئے کرتا ہے ۔ اللہ کا مقبول بندہ وہ ہے جو اللہ کو اس طرح پالے کہ اللہ اس کی پوری ہستی میں اتر جائے ۔ وہ آدمی کے شعور میں شامل ہوجائے ۔ وہ اس کی کمائیوں کا مالک بن جائے ۔ وہ اس کی یادوں میں سما جائے ۔ وہ اس کے کردار پر چھا جائے ۔ آدمی اپنے رب کو اس طرح پکڑلے کہ سخت ترین وقتوں میں بھی اس کی رسی اس کے ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے ۔ اللہ کا حق اس کی سچی وفاداری سے ادا ہوتا ہے نہ کہ محض اِدھر یا اُدھر رُخ کر لینے سے ۔

اللہ پر ایمان لانا یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اپنا سب کچھ بنالے ۔ آخرت کے دن پر ایمان یہ ہے کہ آدمی دنیا کے بجائے آخرت کو زندگی کا اصل مسئلہ سمجھنے لگے ۔ فرشتوں پر ایمان یہ ہے کہ وہ خدا کے ان کارندوں کو مانے جو خدا کے حکم کے تحت دنیا کا انتظام چلا رہے ہیں ۔ کتاب پر ایمان یہ ہے کہ آدمی یہ یقین کرے کہ اللہ نے انسان کے لئے اپنا ہدایت نامہ بھیجا ہے جس کی اُسے لازماً پابندی کرنی ہے ۔ پیغمبروں پر ایمان یہ ہے کہ اللہ کے ان بندوں کو اللہ کا نمائندہ تسلیم کیا جائے جن کو اللہ نے اپنا پیغام پہنچانے کے لئے چنا ۔ پھر یہ ایمانیات آدمی کے اندر اتنی گہری اتر جائیں کہ وہ اللہ کی محبت اور شوق میں اپنا مال ضرورت مندوں کو دے اور انسانوں کو مصیبت سے چھڑائے ۔ نماز قائم کرنا اللہ کے آگے ہمہ تن جھک جانا ہے ۔ زکواۃ ادا کرنا اپنے مال میں خدا کے مستقل حصہ کا اقرار کرنا ہے ۔ ایسا بندہ جب کوئی عہد کرتا ہے تو اس کے بعد وہ اس سے پھرنا نہیں جانتا ۔ کیوں کہ وہ ہر عہد کو خدا سے کیا ہوا عہد سمجھتا ہے ۔ اس کو اللہ کے اوپر اتنا بھروسہ ہوجاتا ہے کہ تنگی اور مصیبت ہو یا جنگ کی نوبت آجائے ، ہر حال میں وہ خدا پرستی کے راستہ پر جما رہتا ہے ۔ یہ اوصاف جس کے اندر پیدا ہوجائیں وہی سچا مومن ہے اور سچا مومن اللہ سے اندیشہ رکھنے والا ہوتا ہے نہ کہ کسی جھوٹے سہارے پر اعتماد کرکے اس سے نڈر ہوجانے والا ۔

شدت کا سبب سیاست

سیاسی اختلاف ہمیشہ شدت پیدا کرتا ہے۔ قدریہ اور جبریہ فرقوں میں جو شدت نظر آتی ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ یہ دونوں فرقے سیاسی اسباب کے تحت پیدا ہوئے۔ خلافت راشدہ کے آخری دور میں سیاسی اقتدار بنو ہاشم کے ہاتھ میں تھا۔ بنو امیہ نے ان سے اقتدار چھین لیا۔ بنو ہاشم کی طرف سے کسی متوقع بغاوت کو کچلنے کے لئے انھوں نے ان کے اوپر سخت مظالم کئے۔ یہی وقت ہے جب کہ جبر و اختیار کے نظریات مسلمانوں میں پیدا ہوئے۔ بنو امیہ نے اپنی سیاست کی نظریاتی توجیہہ کے لئے جبر کا سہارا لیا۔ انھوں نے کہا کہ اس دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے خدا کے حکم کے تحت ہوتا ہے۔ اس لئے بنو امیہ کا بنو ہاشم سے خلافت چھیننا اور ان کے افراد پر سختیاں کرنا سب خدا کی مرضی کے مطابق ہے۔ جو ہونا تھا وہی ہو رہا ہے، اس میں کسی انسان کی مرضی کا کوئی دخل نہیں۔ اس کے جواب میں ان کو غلط ثابت کرنے کے لئے دوسرے گروہ نے کہا کہ انسان آزاد ہے اور خود اپنی مرضی سے اپنے لئے کوئی راہ منتخب کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ اس طرح نظریہ اختیار کا مطلب، اس وقت کی فضا میں یہ ہو گیا کہ بنو امیہ ظالم ہیں۔ کیوں کہ انھوں نے جو کچھ کیا ہے اپنے ارادہ سے کیا ہے خدا کے حکم کا اس سے کوئی تعلق نہیں ——— کوئی بحث اگر خالص علمی مقصد کے تحت نہ ہو بلکہ اس کے پیچھے دوسرے مفادات و محرکات کام کر رہے ہوں تو دونوں فریقوں کی طرف سے شدت اور مبالغہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہی قدریہ اور جبریہ کے ساتھ ہوا۔ قدیم کتابوں میں ان مباحث پر جو شدت پائی جاتی ہے وہ اسی سیاسی پس منظر کا نتیجہ ہے۔

یہی معاملہ دوسرے عنوان کے ساتھ خوارج کا تھا جنھوں نے ایمان و عمل کے بارے میں انتہا پسندانہ اعتقادی مباحث پیدا کئے۔ خوارج نے بنو امیہ کے خلاف بغاوت کا فتویٰ دیا۔ چوں کہ اسلام میں مسلمانوں کی قائم شدہ حکومت کے خلاف جنگ کو ناجائز قرار دیا گیا ہے، انھیں اپنے اقدام کے لئے ایک نظریاتی جواز درکار تھا۔ اس مقصد کے لئے انھوں نے ایمان و عمل کے مسئلہ کا سہارا لیا۔ انھوں نے ایمان کی ایسی تعریف پر اصرار کیا جس میں عمل بھی لازمی طور پر داخل ہو، صرف ایمان کسی کو مسلمان قرار دینے کے لئے کافی نہ ہو، تاکہ یہ ثابت ہو سکے کہ وقت کے حکمراں مسلمان نہیں ہیں اور ان کے خلاف خروج کرنا جائز ہے۔ اس کے مقابلہ میں دوسری جانب کے لوگوں نے جوابی شدت اختیار کی۔ انھوں نے اس پر زور دیا کہ صرف ایمان کسی کے مسلمان ہونے کے لئے کافی ہے، اس کے لئے عمل لازمی شرط نہیں ہے۔ پہلے نظریہ کی صورت میں وقت کے حکمرانوں کے خلاف بغاوت جائز قرار پاتی تھی، دوسرے نظریہ کی صورت میں ان کے خلاف بغاوت کرنا حرام تھا۔ یہی سیاسی پس منظر تھا جس کی وجہ سے ایمان و عمل کی بحث نے وہ شدت اختیار کی جو ہم کو قدیم کتابوں میں دکھائی دیتی ہے۔

سیاسی اسباب کے تحت جو نظریہ پیدا ہو اس میں شدت کا پیدا ہونا یقینی ہے۔ طلاق المکرہ لیس بشیئ کا فتویٰ اور قرآن کو غیر مخلوق کہنا حکومت کی نظر میں اس لئے سنگین بن گئے کہ وقت کے حالات نے ان میں سیاسی پہلو پیدا کر دیا تھا۔

بدگمانی سے بچیے

باہمی تعلقات کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان بدگمانیاں پھیلی ہوئی ہوں (حجرات ۱۲) دوسرے یہ کہ ان کے تعلقات حسن ظن پر قائم ہوں (نور ۱۲) دو آدمی کا معاملہ ہو یا ایک خاندان کا یا پورے سماج کا، ہر جگہ تعلقات کی یہی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ شکایتی مواقع پر اپنے بھائی کے خلاف بری رائے قائم کر لینا اور اس کے خلاف کدورت لے کر بیٹھ جانا سوء ظن ہے اور اس کو منافقانہ تعلقات کہا گیا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جب شکایت کی کوئی بات سامنے آئے یا کسی کی کوئی بات بری معلوم ہو تو اس کی اچھی تاویل کی جائے اور اس کو دل میں رکھنے کے بجائے اس کو بھلا دیا جائے۔ یہ حسن ظن ہے اور اس بنیاد پر جو تعلقات قائم ہوتے ہیں انھیں کا نام مومنانہ تعلقات ہے۔

سوء ظن کی فضا عام طور پر ایسے معاشرہ میں پیدا ہوتی ہے جہاں مزاج یہ بن جائے کہ جو سنو اس کو مان لو۔ ایسے موقع پر بہترین طریقہ یہ ہے کہ دوسرے کی آبرو کو آدمی اپنی آبرو پر قیاس کرے " افک "، کے قصہ میں آتا ہے کہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے ان کی بیوی نے کہا کہ لوگ عائشہ کی نسبت ایسا کہتے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ کہنے والے جھوٹے ہیں۔ تم بتاؤ کیا تم ایسا کام کر سکتی ہو۔ خاتون نے کہا ہرگز نہیں۔ فرمایا: پھر عائشہ رض تجھ سے بڑھ کر پاک وصاف اور طاہر ومطہر ہیں، ان کی نسبت بلا وجہ ایسا گمان کیوں کیا جائے۔

اسلامی زندگی

ایک اسلامی زندگی کا وجود میں آنا ایسا ہی ہے جیسے ایک درخت کا وجود میں آنا۔ ایک ہرا بھرا درخت زمین پر اس وقت کھڑا ہوتا ہے جب کہ اس نے اپنے آپ کو پوری طرح کائنات کے ہم آہنگ کر لیا ہو، جب وہ پوری کائنات کو اپنی غذا بنا چکا ہو۔

اسلامی زندگی نہ عملیاتی ورزشوں سے وجود میں آتی ہے اور نہ انقلابی نعروں سے۔ ایک بندہ اس وقت مومن ومسلم بنتا ہے جب کہ وہ تجلیات الٰہی کا مہبط بن جائے۔ خدا نے جس طرح مادی سطح پر درختوں کے لئے ایک عالمی دسترخوان پھیلا رکھا ہے۔ اسی طرح روحانی سطح پر انسان کے لئے ہر وقت اس کے فیضان کی بارش ہو رہی ہے۔ مادی کائنات سے اپنے آپ کو جوڑنے کے نتیجہ میں درخت وجود میں آتا ہے۔ اسی طرح الٰہی تجلیات کے سمندر میں نہانے سے وہ چیز وجود میں آتی ہے جس کو اسلامی زندگی کہتے ہیں۔ ایک درخت ہو یا ایک انسان، دونوں ہی ایک وسیع تر نظام غذا سے اپنے کو جوڑ کر اپنی ہستی کو کمال کے مقام پر پہنچاتے ہیں ——— جو شخص آج اللہ کے رزق پر جی رہا ہے وہ آخرت میں نہایت شاداب اور تندرست حالت میں اٹھے گا۔ اور جو لوگ اللہ کے رزق سے محروم ہیں ان کا حال وہی ہوگا جو آج خراب غذاؤں پر پلنے والوں کا نظر آتا ہے، وہ مدقوق صورتوں کے ساتھ اٹھیں گے خواہ آج وہ کتنے ہی پر رونق نظر آتے ہوں۔

ایجنسی : ایک تعمیری اور دعوتی پروگرام

الرسالہ عام معنوں میں صرف ایک پرچہ نہیں، وہ تعمیر ملت اور احیاء اسلام کی ایک مہم ہے جو آپ کو آواز دیتی ہے کہ آپ اس کے ساتھ تعاون فرمائیں۔ اس مہم کے ساتھ تعاون کی سب سے آسان اور بے ضرر صورت یہ ہے کہ آپ الرسالہ کی ایجنسی قبول فرمائیں۔

"ایجنسی" اپنے عام استعمال کی وجہ سے کاروباری لوگوں کی دلچسپی کی چیز سمجھی جانے لگی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ایجنسی کا طریقہ دور جدید کا ایک مفید عطیہ ہے جس کو کسی فکری اشاعت کے لئے کامیابی کے ساتھ استعمال کیا جا سکتا ہے۔ کسی فکری مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنے کی یہ ایک انتہائی ممکن صورت ہے اور اسی کے ساتھ اس فکر کو پھیلانے میں اپنا حصہ ادا کرنے کی ایک بے ضرر تدبیر بھی۔

تجربہ یہ ہے کہ بیک وقت سال بھر کا زر تعاون روانہ کرنا لوگوں کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ مگر پرچہ سامنے موجود ہو تو ہر مہینے ایک پرچہ کی قیمت دے کر وہ بآسانی اس کو خرید لیتے ہیں۔ ایجنسی کا طریقہ اسی امکان کو استعمال کرنے کی ایک کامیاب تدبیر ہے۔ الرسالہ کی تعمیری اور اصلاحی آواز کو پھیلانے کی بہترین صورت یہ ہے کہ جگہ جگہ اس کی ایجنسی قائم کی جائے۔ بلکہ ہمارا ہر ہمدرد اور متفق اس کی ایجنسی لے۔ یہ ایجنسی گویا الرسالہ کو اس کے متوقع خریداروں تک پہنچانے کا ایک کارگر درمیانی وسیلہ ہے۔

وقتی جوش کے تحت لوگ ایک "بڑی قربانی" دینے کے لئے بآسانی تیار ہو جاتے ہیں۔ مگر حقیقی کامیابی کا راز ان چھوٹی چھوٹی قربانیوں میں ہے جو سنجیدہ فیصلہ کے تحت لگاتار دی جائیں۔ ایجنسی کا طریقہ اس پہلو سے بھی اہم ہے یہ ملت کے افراد کو اس کی مشق کراتا ہے کہ ملت کے افراد چھوٹے چھوٹے کاموں کو کام سمجھنے لگیں۔ ان کے اندر یہ حوصلہ پیدا ہو کہ وہ مسلسل عمل کے ذریعہ نتیجہ حاصل کرنا چاہیں نہ کہ یکبارگی اقدام سے۔

ایجنسی کی صورتیں

پہلی صورت ——— الرسالہ کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔ مطلوبہ پرچے کمیشن وضع کرکے بذریعہ وی پی روانہ کئے جاتے ہیں۔ اس اسکیم کے تحت ہر شخص ایجنسی لے سکتا ہے۔ اگر اس کے پاس کچھ پرچے فروخت ہونے سے رہ گئے ہیں تو اس کو پوری قیمت کے ساتھ واپس لے لیا جائے گا۔

دوسری صورت ——— الرسالہ کے پانچ پرچوں کی قیمت بعد وضع کمیشن ساڑھے سات روپیہ ہوتی ہے۔ جو لوگ صاحب استطاعت ہیں وہ اسلامی خدمت کے جذبہ کے تحت اپنی ذمہ داری پر پانچ پرچوں کی ایجنسی قبول فرمائیں۔ خریدار ملیں یا نہ ملیں، ہر حال میں پانچ پرچے منگوا کر ہر ماہ لوگوں کے درمیان تقسیم کریں۔ اور اس کی قیمت خواہ سالانہ نوے روپے یا ماہانہ ساڑھے سات روپے دفتر الرسالہ کو روانہ فرمائیں۔
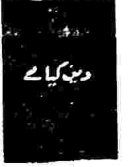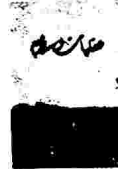
اہم اعلان

مولانا وحید الدین خاں کی کتابوں کے بعض عربی ترجمے (مطبوعہ قاہرہ) برائے فروخت مکتبہ الرسالہ میں موجود ہیں:

نمبر	کتاب	ایڈیشن	صفحات		قیمت	
۱	الإسلام يتحدى	(ساتواں ایڈیشن)	۲۶۳	صفحات	قیمت ۲۰	روپے
۲	الدين في مواجهة العلم	(چوتھا ایڈیشن)	۱۱۲	صفحات	" ۱۰	روپے
۳	حكمة الدين	(دوسرا ایڈیشن)	۸۷	صفحات	" ۸	روپے
۴	الإسلام والعصر الحديث	(دوسرا ایڈیشن)	۷۷	صفحات	" ۸	روپے
۵	مسئوليات الدعوة	(تیسرا ایڈیشن)	۳۹	صفحات	" ۲	روپے
۶	نحو تدوين جديد للعلوم الإسلامية		۲۶	صفحات	" ۲	روپے
۷	إمكانات جديدة للدعوة		۳۴	صفحات	" ۲	روپے
۸	الشريعة الإسلامية وتحديات العصر		۳۲	صفحات	" ۲	روپے
۹	المسلمون بين الماضي والحال والمستقبل		۷۲	صفحات	" ۵	روپے
۱۰	نحو بعث إسلامي		۳۲	صفحات	" ۵۰	پیسے

REGD. R. N. NO. 28822/76
REGD. D. (D) NO. 532
November 1979
Issue No. 36

AL-RISALA MONTHLY
JAMIAT BUILDING, QASIMJAN STREET, DELHI 110006 INDIA PHONE 262331